آگہی

آگہی

خواجہ شمس الدین عظیمیؔ

فہرست

فہرست

پیش لفظ

"آگہی" کے عنوان سے شائع ہونے والی یہ کتاب اُن مضامین پر مشتمل ہے جو ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں چند تقاریر بھی شامل ہیں جو عظیمی صاحب نے ملکی و غیر ملکی تبلیغی دوروں میں کی ہیں۔ ان مضامین کو یکجا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ موتیوں کو پرو کر ایک خوبصورت ہار بنا دیا جائے تا کہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے یہ ورثہ محفوظ ہو جائے۔ مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے قلم اور زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ قیمتی موتی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مضامین موجودہ اور آنے والے دور کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔

عظیمی صاحب کی ذات سے لاکھوں انسان فیض حاصل کر رہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت کرتے رہیں گے۔ آپ نے انسانیت کی فلاح کے لئے رات دن محنت کی ہے اور نبی کریم ﷺ کے مشن کو پھیلانے کے لئے جدوجہد کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے انسان کو نہ صرف خود آگہی حاصل ہو گی بلکہ توحید و رسالت، تسخیر کائنات اور کہکشانی نظام کے ایسے ایسے عقدے کھلیں گے، جو ابھی تک مخفی تھے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے سچے مرید حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی جس سادگی اور آسان الفاظ میں اسرار و رموز پر سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ بلاشبہ ان کے اوپر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور جس طرح افراد کی توجہ فلاح و بہبود کی طرف مبذول ہو جاتی ہے یہ بھی فضل ایزدی ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ تنہا آدمی اتنا بڑا کام نہیں کر سکتا۔ بڑے کام کیلئے ضروری ہے کہ کئی افراد کی صلاحیتیں یکجا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کتاب "آگہی" کی ترتیب و تدوین میں مجھے مخلص دوستوں کی رفاقت نصیب ہوئی۔ میں اپنے رفقاء پروفیسر سید احمد ظفر، محمد عارف اور محمد امین کے تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی اور دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ روحانی علوم سیکھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔۔۔۔۔ آمین

دعا جو دعا گو

انعام عظیمی

روحانی اسکول میں تربیت

سلسلۂ عظیمیہ کی جب بنیاد رکھی گئی، حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا خواجہ صاحب آپ کو سلسلہ کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلانا ہے۔ سلسلہ کی تعلیم کو عام کرنا ہے۔

اس وقت میرے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ سلسلے کے سربراہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ دستار فضیلت اور گدی نشینی کے آداب سے واقف ہو، اونچی جگہ بیٹھنے والا بندہ ہو۔ اس کے آگے پیچھے بہت سارے لوگ ہوں، جو لوگ سامنے ہوں وہ سرنگوں ہوں اور جو لوگ بیٹھے ہوئے ہوں ان کے اندر اتنی جرأت نہ ہو کہ وہ آنکھ اٹھا کر مرشد کے چہرے کو دیکھ سکیں۔ مرشد کی خلوت اور جلوت میں مریدین کا کوئی حق نہ ہو۔

مقصد یہ ہے کہ میرے ذہن میں سلسلے کے بڑوں کے لئے ایک ماورائی ہستی کا تصور تھا۔ یہ بات ذہن میں نہیں تھی کہ مرشد اندر سے روشن ہوتا ہے اور یہ بات اس لئے ذہن میں نہیں تھی کہ زندگی میں کبھی سنا ہی نہیں تھا کہ انسان کی اصل زندگی باطنی زندگی ہے اور ظاہر زندگی مفروضہ اور فکشن ہے۔

میں نے یہ سب کچھ سوچ کر حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے عرض کیا:

آپ نے ایسی عجیب بات فرمائی ہے کہ جس کا تصور بھی میرے ذہن میں نہیں ابھرتا۔ اس لئے کہ اگر روحانی استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھا مقرر ہو تو تقریر کرنا مجھے نہیں آتی۔ مرشد کے لئے ضروری ہے کہ اسے لکھنا آتا ہو تو لکھنا بھی مجھے نہیں آتا، مرشد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معلومات عام لوگوں کی معلومات سے زیادہ ہوں تو میں نے اسکول میں پہلی جماعت بھی نہیں پڑھی۔

مرشد کو روحانی پرواز حاصل ہو تو میں اس تجربے سے نہیں گزرا۔ میں جس ماحول میں پیدا ہوا، میں نے جس ماحول میں نشوونما پائی وہاں روح کا تصور مجھے نہیں ملا۔ میں اس حقیقت سے نہ آشنا ہوں کہ مادی جسم کے علاوہ روحانی جسم بھی ہوتا ہے؟ میں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں جب یہ معروضات پیش کیں تو قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا:

قانون یہ ہے کہ!

”جب اللہ تعالیٰ کسی کو نوازنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ نہیں دیکھتے کہ آدمی میں کتنی صلاحیت اور کتنی سکت ہے؟ اور آدمی کتنا کام کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی اپنی ایک عادت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو نوازتے ہیں تو بندے کے اندر از خود تمام صلاحیتیں بیدار اور متحرک ہو جاتی ہیں۔ وہ اگر گونگا ہے تو بولنا شروع کر دیتا ہے، بہرہ ہے تو سننے لگتا ہے۔ اس کے اندر قوت پرواز نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بال و پر عطا فرما دیتے ہیں۔ اگر وہ بدصورت ہے تو لوگوں کو وہ خوبصورت نظر آتا ہے۔ اگر اس کا تکلم اچھا نہیں ہے تو اس کے تکلم میں ایسی شیرینی اور حلاوت اللہ تعالیٰ داخل کر دیتے ہیں کہ سننے والے اس کے تکلم کا انتظار کرتے ہیں۔ زمین پر بسنے والوں اور آسمانوں میں رہنے والوں کے لئے اس کا لہجہ تاثیر بن جاتا ہے۔ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے سنتے ہیں۔ اس کے چہرے پر انوار و تجلیات کی ایک ایسی چادر تن جاتی ہے کہ لوگ اسے والہانہ دیکھتے رہتے ہیں۔ جبکہ وہ نہیں سمجھتے کہ کیا دیکھ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے معاملات ہیں۔ آپ کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ میں یہ نہیں کر سکتا، میں وہ نہیں کر سکتا۔ آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ڈیوٹی لگ گئی ہے راضی برضا ہو کر اللہ تعالیٰ کے راستے پر قدم بڑھا دیں۔“

مرشد کریم نے توجہ سے، تصرف سے، گفتگو سے، علم سے، قربت سے، میری تربیت فرمائی اور تربیت کا محور یہ قرار پایا کہ صدیوں پرانی خاندانی روایات کو ختم کر کے نئی روایات، نئے Tradition میں زندگی گزارنی ہے۔ اور نئی روایات یہ ہیں کہ انسان جو بھی کچھ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ جو عمل کرے اس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہو۔ اپنی ذات کا عمل دخل نہ ہو۔ صدیوں پرانے شعور نے اس بات کو برداشت نہیں کیا اور صدیوں پرانی روایات نے بغاوت کر دی اور جنگ شروع ہو گئی۔ ظاہر اور باطن کی اس لڑائی نے بے جان اور نڈھال کر دیا۔ شعور نے مزاحمت کی۔ جب مزاحمت بڑھ گئی تو تکالیف کا ریکارڈ ٹوٹ گیا۔ احساس تکلیف ختم ہو گیا تو ایک دن مرشد کریم نے سامنے بٹھا کر فرمایا کہ زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔ کچھ بننے کے بھی دو طریقے ہیں۔

کسی سے کچھ حاصل کرنے کے بھی دو طریقے ہیں اور کسی کو کچھ دینے کے لئے بھی دو طریقے ہیں۔

اور وہ دو طریقے یہ ہیں کہ انسان کے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ وہ دوسروں سے اپنی بات منوا سکے۔ انسان کے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ وہ دوسروں کو اپنا ہم ذہن بنا سکے۔ انسان کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ صدیوں پرانی منفی روایات کو دفن کر سکے۔ حقیقی اور مثبت روایات کو جاری و ساری رکھنے کے لئے ساری دنیا کا مقابلہ کرنے کی جرأت اور ہمت ہو۔

بااختیار بے اختیار زندگی

اس طریقے کو دنیاوالے Independent ہونا کہتے ہیں۔ خود مختار زندگی کہتے ہیں یعنی آپ جو چاہتے ہیں دوسروں سے منوالیں۔ جو آپ خود ہیں دوسروں کو بنادیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی نفی کر دیں یعنی Independent زندگی کو داغ مفارقت دے کر Dependent ہو جائیں۔ اور خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں سیاہ سفید جو ہو سب اللہ تعالیٰ کے اوپر چھوڑ دیں۔

یادرکھئے!

تخلیق کا قانون یہ ہے!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ فطرت Independent نہیں ہے۔ آپ کی ساخت ہی اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ آپ Dependent ہو کر زندگی گزار سکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ Independent یا خود مختار زندگی سے آپ کنارہ کش ہو جائیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کسی کو اپنا بنالیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ آپ دوسرے کے بن جائیں۔

تین سال کا بچہ

میں نے غور و فکر کیا سوچا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ خود مختار زندگی سے مجھے نجات عطا فرمادے اور پابند زندگی Dependent زندگی مجھے عطا کر دے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کے بھروسے پر میری سمجھ میں آگئی کہ جب روحانی استاد موجود ہیں اور جب یہ بات تسلیم ہے کہ مرشد کو ہی سب کچھ بنانا ہے تو تین سال کے بچے کی طرح خود کو استاد کے سپرد کر دینا چاہئے۔

میں نے سوچا کہ! مجھے تو یہ علم بھی نہیں ہے کہ علم کیا ہے؟

یہ بھی پتا نہیں کہ میں کہاں سے آیا ہوں؟

میں یہ بھی نہیں جانتا کہ کہاں جانا ہے؟

اس کا سراغ نہیں ملتا کہ زندگی کیا ہے؟

سانس کہاں سے آرہا ہے اور کہاں جارہا ہے؟

فکشن کیا ہے۔۔۔۔۔۔مفروضہ کیا ہے اور حقیقت کیا ہے؟

بہر حال یہ بات میں نے طے کر لی کہ مجھے اب Independent زندگی نہیں گزارنی جو کچھ کہا جائے گا اس پر عمل کروں گا۔ بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے تعمیل کروں گا۔

مرید کی تربیت

تربیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایسی ایسی باتیں سامنے آئیں جن باتوں کو شعور نے قبول نہیں کیا۔ شعور کے اوپر ایسی ضرب پڑی کہ انسان اس تکلیف کا ادراک تو کر سکتا ہے۔ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ذہن نے مزاحمت کی۔ شعور نے کہا یہ بات غلط ہے۔ شعور کی مزاحمت اور جنگ میں بہت مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ میرے کندھوں پر وزن پڑتا تھا اور بسا اوقات اس وزن کا احساس ٹنوں کے وزن سے ہوتا تھا جیسے کئی ٹن وزن کی سلیں کندھوں پر رکھی ہوں۔ اس ناقابل برداشت بوجھ سے میں راستہ چلتے رک جاتا تھا۔ وزن اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ میں کھڑے کھڑے بیٹھ جاتا تھا اور باوجود ہمت اور کوشش کے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا یعنی Physically یہ محسوس ہوتا تھا کہ بہت زیادہ وزن کندھوں پر رکھا ہوا ہے۔ کئی مرتبہ یہ ہوتا تھا کہ مرشد نے ایک بات آسمان کی فرمائی اور شعور نے اسے زمینی حواس سے سمجھنا چاہا اور جب بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو خودکشی کو دل چاہتا تھا۔ کپڑے پھاڑ دیتا تھا، کبھی کبھی دل چاہتا تھا کہ اونچی بلڈنگ سے چھلانگ لگا دوں۔ چھت ٹوٹ کر میرے اوپر آگرے۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ سمندر میں کود جاؤں اور غرق آب ہو جاؤں۔ بیزاری، اذیت اور تکلیف کا غلبہ تھا جس کے بارے میں کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ کوئی ہمراز نہیں تھا۔ اذیت، تکلیف اور آلام کا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ تکلیف کے احساس سے شعور خوگر ہوتا رہا۔ کبھی کھانے کی تکلیف، کبھی پہننے کی تکلیف، کبھی نیند نہ آنے کی تکلیف، کبھی منفی خیالات کا دباؤ، کبھی شیطانی وسوسوں کا زور، کبھی صفت رحمٰن کا غلبہ، کبھی شیطان کا غلبہ، مسائل و مصائب، دکھ درد، اذیت اور اضطراب کا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا۔ زندگی میں خوشی اور غم دونوں متوازی ہوتے ہیں۔ خوشی کے بغیر غم نہیں ہوتا اور غم کے بغیر خوشی نہیں ہوتی لیکن ان دس سالوں میں شاید دس ہفتے خوشی کے ہوں۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جب آدمی کسی اذیت سے گزرتا ہے تو اذیت کا دور خوشی کے لمحات میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے لفظ نہیں ہیں کہ غم کا تاثر پوری طرح قائم ہو جائے۔ ایک آدمی اگر پریشان ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پریشانی دور فرما دی تو پریشانی دور ہو جاتی ہے تو اس پریشانی کو بیان تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا تاثر قائم نہیں ہوتا۔

دس سال

دس سال شعور و لاشعور کی محاذ آرائی جاری رہی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی قربت سے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی توجہ اور نسبت سے شعور نے مزاحمت ختم کر دی۔

دس سال بعد صورتحال یہ ہوئی:

مرشد کریم جو کچھ فرماتے تھے مِن و عَن اس پر عمل ہوتا تھا۔ ذہن میں کوئی خیال نہیں آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ذہن ٹھہرے ہوئے سمندر کی طرح ہے۔ جو بات جتنی فرمادی اتنی سمجھ میں آجاتی تھی۔ لفظوں کا کوئی مفہوم ذہن میں آتا نہ کوئی معانی سمجھ میں آتے تھے۔ نہ حکمت سمجھ میں آتی تھی۔ مرشد نے فرمادیا درخت۔ بس درخت۔ کونسا درخت ہے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ تربیت کا یہ سلسلہ دس سال سے تجاوز کر کے ۱۶ سال تک قائم رہا۔ ۱۰ سال اذیت میں گزر گئے اور ۶ سال اس اذیت کو بھولنے میں صرف ہوئے۔ ۱۶ سال کے عرصے میں یہ بات سمجھ میں آئی کہ عالمین میں جہاں بھی جو بھی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ ہر شئے پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو بندہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو بندہ جوان ہو جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ پیدا ہوا، جوان ہوا، بوڑھا ہوا اور مر گیا۔ یہی دنیا کی زندگی ہے۔ پیدا ہوا تو کچھ ساتھ نہیں لایا۔ مرا تو کچھ ساتھ نہیں لے گیا۔ محلات بنائے، کارخانے لگائے، دکانیں سجائیں اور روزگار کے حصول میں اس طرح جدوجہد کی کہ آخرت کی زندگی بھول گیا۔ دنیا بھی خراب عاقبت بھی خراب۔ اچھا آیا تھا بُرا چلا گیا۔ کومل معصوم بچہ کرخت اور خشک چہرہ بن گیا۔

یہ بات سولہ سال میں سمجھ آئی۔ ماشاء اللہ آپ سب سمجھدار ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہاں کوئی آدمی نہ کچھ لے کر آتا ہے نہ کچھ لے کر جاتا ہے۔ لیکن اس بات کا یقین آدمی کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ یقین پیدا ہونے کے لئے آدمی یہاں کچھ لے کر نہیں آتا اور کچھ لے کر نہیں جاتا۔ مقصد حیات کو سمجھنے اور اس یقین کو مستحکم ہونے کے لئے سولہ سال کے شب و روز صرف ہوئے۔ شب روز سولہ سال مرشد کریم کی قربت نے یقین کا پیٹرن (Pattern) تخلیق کیا کہ انسان نہ پیدا ہونے پر بااختیار ہے اور نہ زندہ رہنے پر اسے قدرت حاصل ہے۔ آدمی کو اس بات کا بھی علم نہیں ہے کہ مجھے کہاں پیدا ہونا ہے؟ سید کے گھر، پٹھان کے گھر، شیخ

کے گھر یا کسی چمار کے گھر۔ جاپان میں پیدا ہونا ہے، امریکہ میں پیدا ہونا ہے، بھارت میں پیدا ہونا ہے یا پاکستان میں پیدا ہونا ہے؟ جب اس بات کا علم ہی نہیں ہے کہ کہاں پیدا ہونا ہے؟ کس کے گھر پیدا ہونا ہے تو بااختیار ہونا زیر بحث نہیں آتا۔ آپ پیدا ہو گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ چمار کے ہاں چاہا چمار کے ہاں پیدا ہو گئے۔ بادشاہ کے ہاں چاہا۔ بادشاہ کے گھر پیدا ہو گئے۔ چپٹی ناک سے پیدا کر دیا۔ آپ چپٹی ناک سے پیدا ہو گئے۔ کھڑی ناک سے پیدا کیا۔ آپ کھڑی ناک سے پیدا ہو گئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کوتاہ قد کر دیا تو کوتاہ قد ہو گئے۔ دراز قد کر دیا تو دراز قد بن گئے۔ کالا بنا دیا تو آپ کالے پیدا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے گورا بنا دیا تو آپ گورے پیدا ہو گئے۔

ہم جتنا بھی غور کریں گے یہ جواب ملے گا کہ پیدا ہونے پر کوئی شخص کوئی فرد کسی بھی طرح بااختیار نہیں ہے۔ بے اختیار آدمی پیدا ہو گیا اسے اس بات کا بھی اختیار نہیں کہ وہ پیدا ہونے کے بعد جوان ہو جائے گا اگر پیدا ہونے کے بعد سال، دو سال میں اس پر موت وارد ہو گئی تو جوانی نہیں آئی؟

جوان ہونے کے بعد بھی آدمی مر جاتا ہے اور بڑھاپا آنے سے پہلے بھی مر جاتا ہے اور بڑھاپا آنے کے بعد نہیں مرتا۔۔۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پیدا ہونے پر کوئی اختیار نہیں اسی طرح مرنے پر بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ زندہ رہنے پر بھی کوئی اختیار نہیں۔

موت حفاظت کرتی ہے

حضور قلندر بابا اولیاءؒ ارشاد فرماتے ہیں!

"انسان بیوقوف ہے، موت سے ڈرتا ہے جبکہ موت انسان کی سب سے بڑی محافظ ہے۔"

ملک الموت کی جہاں یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ روح قبض کرے۔ ملک الموت کی یہ بھی ڈیوٹی ہے کہ وقت معینہ سے پہلے کسی آدمی کی روح قبض نہ کرے۔ انسان کی سب سے بڑی محافظ موت ہے جبکہ آدمی موت سے ڈرتا ہے۔ موت سے آپ ڈریں یا نہ ڈریں اگر عمر باقی ہے تو ملک الموت پابند ہے کہ آپ کو دنیا سے نہ لے جائے اور اگر وقت پورا ہو گیا ہے تو آپ ایک سیکنڈ بھی دنیا میں نہیں رہ سکتے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس حقیقت سے دنیا کا کوئی ایک فرد انکار نہیں کر سکتا۔

باہر نہیں ہم اندر دیکھتے ہیں

ہم سمجھتے یہ ہیں کہ باہر دیکھ رہے ہیں حالانکہ ہم باہر نہیں اندر دیکھ رہے ہیں۔ ہم کرسی کو کرسی اس وقت کہتے ہیں جبکہ کرسی کا علم کرسی کے عکس کی صورت میں ہمارے دماغ میں منتقل ہو۔ اگر کرسی ہمارے سامنے نہیں ہے تو ہم کرسی کو نہیں دیکھتے۔ ہم کسی چیز کو دیکھ کر اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے۔ اگر چیز سامنے نہ ہو اور ہمارا ذہن اس سے باخبر نہ ہو ہم اس چیز کے تذکرہ سے قاصر ہیں۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ اپنے دماغ کی سطح پر دیکھتے ہیں یا اپنے اندر دیکھتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہ ہم باہر دیکھ رہے ہیں مفروضے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور یہ مفروضہ آدم کی اولاد کو جبلی طور پر اسلاف سے منتقل ہوا ہے۔

ابھی بچہ شعور کی پہلی سیڑھی پر قدم نہیں رکھتا کہ اس کے اطراف کا ماحول اسے مسلسل یہ اطلاع قبول کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ جو کچھ نظر آرہا ہے وہ ہم باہر دیکھ رہے ہیں۔ بچے کو جب چاند سے روشناس کرایا جاتا ہے تو یہ بات بتائی جاتی ہے کہ چندا ماموں آسمان پر ہیں۔ ساتھ ہی ماں یا خاندان کا کوئی قریبی فرد انگلی کے اشارے سے بچے کو یہ بات ذہن نشین کرا دیتا ہے کہ چاند ہم سے بہت دور نظر آتا ہے۔

جب ہم دوری کا تذکرہ کرتے ہیں تو فاصلہ اور وقت کا علم وجود میں آجاتا ہے اور یہ علم ہماری زندگی میں پیوست اور نقش ہو جاتا ہے۔

ہم وقت کے بغیر کسی چیز کا تذکرہ نہیں کر سکتے۔ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ بچہ اپنے سال کا ہے یا بچے کی اتنی عمر ہے تو فی الواقع یہ کہتے ہیں کہ یہ بچہ اتنی مدت گزار چکا ہے۔ جوانی کے تذکرہ میں بھی یہ بات مخفی ہے کہ بچہ سولہ یا اٹھارہ سالوں کا عرصہ گزار چکا ہے۔ اسی طرح ادھیڑ عمر کا ذکر بھی اس بات کی نشاندہی ہے کہ یہ شخص تیس، چالیس سالوں سے گزرے ہوئے وقفہ کی تصویر ہے۔ یہی صورت بڑھاپے کی ہے جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں آدمی بوڑھا ہو گیا تو دراصل ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی نے ساٹھ سال یا اس سے زیادہ وقفہ گزار لیا ہے۔

ہم آم کے درخت کا تذکرہ اس کے وقت گزارنے کے عمل کے بغیر نہیں کر سکتے۔ جس وقت آم کے درخت کو آم کہا جاتا ہے تو پہلے ہمارا ذہن اس درخت کے ساتھ چپکے ہوئے وقت کو ناپتا ہے۔ جب ہم کسی درخت کے بیج کا ذکر کرتے ہیں تو یہ بات ہمارے

ذہن میں ہوتی ہے کہ یہ بیج کسی وقت زمین میں بویا گیا ہو گا پھر اس بیج کا درخت بنا ہو گا۔ اور پھر اس درخت نے نشو و نما میں ایک عرصہ یا زمانہ گزرا اور اس بیج کا ظہور ہوا۔

ایک بیج کو بیان کرنے میں یا دیکھنے کے لئے ہمیں کم و بیش مہینوں اور بعض مرتبہ سالوں کے وقت سے گزرنا پڑتا ہے وقت کے محیط ہوئے بغیر ہم کسی بھی حالت میں بیج کو آم نہیں کہہ سکتے علیٰ ہذالقیاس یہی حال کائنات میں موجود ہر شئے کا ہے۔ اب یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ہم کسی چیز کو بغیر علم یا بغیر اطلاع کے نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا تذکرہ کرسکتے ہیں یعنی ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں جو کچھ سمجھ رہے ہیں۔ یا جس چیز کا تذکرہ کررہے ہیں اس کی حیثیت صرف اطلاع ہے۔

اطلاع کہاں سے آتی ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اطلاع ہمیں کہاں سے ملتی ہے اور اس اطلاع کا مخزن کیا ہے؟

کوئی بھی اطلاع یا کسی بھی شئے کا علم یا وقت ہمیں لازمانیت سے موصول ہوتا ہے اور یہ ہی لازمانیت نت نئی اطلاعیں زمانیت (وقت) کے اندر ارسال کرتی رہتی ہیں۔ لازمانیت موجودات یا کائنات کی بیس (Base) ہے۔ اگر ہم لازمانیت کو ایک نقطہ سے تشبیہ دیں تو اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ نقطہ میں کائنات کا یکجائی پروگرام نقش ہے۔ لہروں کے ذریعہ اس نقطہ سے جب کائنات کا یکجائی پروگرام نشر ہوتا ہے تو انسان کے حافظہ سے ٹکراتا اور بکھرتا ہے، بکھرتے ہی ہر لہر مختلف شکلوں اور صورتوں میں ہنستی بولتی، چلتی پھرتی، گاتی بجاتی، تصویر بن جاتی ہے لیکن چونکہ انسان کا حافظہ جبلی طور پر (فطری نہیں) محدود ہے۔ اس لئے حافظہ ایک دائرہ کے اندر محدود ہونے کی وجہ سے تصویر کے مابین فاصلہ بن جاتا ہے یہی فاصلہ ہمیں کسی چیز کو خود سے دور دکھاتا ہے لیکن ہمارا دیکھنا (Fiction) یا مفروضہ ہے۔ اگر ہم اس بیس (Base) یا نقطہ کو تلاش کرلیں جہاں کائنات کا یکجائی پروگرام نقش ہے تو فاصلہ معدوم ہو جاتا ہے۔

ٹرانزسٹر یا ریڈیو جن ذرات سے مرکب ہے۔ اس کو بھی وقت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ لازمانیت سے آئی ہوئی ہر اطلاع وقت کے ساتھ ساتھ ارتقا پذیر ہے۔ اس لئے ہر وہ ذرہ جو زمین پر موجود ہے۔ ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس میں انحطاط بھی ہو رہا ہے۔ انحطاط کا مطلب یہ ہے کہ ذرہ جہاں سے آیا تھا وہاں جانے کے لئے بے قرار رہتے ہوئے خود کو وقت کے دائرے سے آہستہ آہستہ دور کر رہا ہے اور اپنے مخزن کی طرف لوٹ رہا ہے جیسے جیسے زمانیت سے بُعد (دوری) واقع ہوتا ہے اسی مناسبت سے لازمانیت کے دائرے سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں ٹرانزسٹر میں کام کرنے والے ذرات وقت کے دائرہ سے اتنی دور ہو جاتے ہیں کہ لازمانیت کی تحریکات قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈیو کا ذرہ

ہزاروں میل دور کی آواز پکڑ (Catch) کرلیتا ہے اور نشر کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی انسان قریب یا بعید کی آواز سن کر دوسروں کو سنا دیتا ہے۔

یہ بات غور طلب ہے کہ ٹرانزسٹر کے ان ذرات کو اس مقام تک پہنچانے میں انسان نے اپنی لازمانی صلاحیتیں استعمال کی ہیں اور ان صلاحیتوں کا ثمر یہ ہے کہ آج آواز کی دنیا میں پردے حائل نہیں ہیں۔ جب انسان اپنی توانائیوں کو بروئے کار لا کر ذرات سے کام لے سکتا ہے تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ وہ ذرات سے کام لینے والی صلاحیتوں کو اپنے حق میں استعمال کر کے براہ راست اس سے مستفیض ہو۔ لیکن نوع انسانی کی تاریخ شاہد ہے کہ انسان نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی کہ جن صلاحیتوں کو وہ استعمال کر کے ایک ذرہ یا ایک ایٹم سے ناقابل تصور کام لے سکتا ہے تو اپنی باطنی صلاحیت سے براہ راست وسائل کے بغیر کام کیوں نہیں لیتا۔ یہ انسان کی جبلی اور اسلاف سے ملی ہوئی جہالت ہے جس نے پوری نوع انسانی کو مجبور کر کے وسائل کا پابند کیا ہوا ہے۔

نیند اور شعور

یہ بات ہر فرد کے علم میں ہے کہ انسان پیدائش کے وقت شعور رکھتا ہے گو وہ شعور بالغ شعور سے مختلف ہے۔ بچپن میں بچے کے اوپر بیداری سے زیادہ نیند کا غلبہ رہتا ہے اور بچہ نیند کی حالت میں کبھی ہنستا ہے۔ اور کبھی منہ بنا کر اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز دیکھ رہا ہے جو اس کے لئے ناگوار ہے۔ آہستہ آہستہ اس کے ذہن پر وہ تمام نقوش منتقل ہوتے رہتے ہیں جو اس کے ماحول میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچہ وہی زبان سیکھتا ہے جو اس کے ماحول میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ زبان کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ بات بھی منتقل ہوتی رہتی ہے کہ آواز کے سننے میں قرب وبُعد (قرب و دور) کا تعلق ہے۔ قریب سنانے کے لئے آواز آہستہ بولی جاتی ہے اور دور سنانے کے لئے آواز اونچی بولی جاتی ہے۔ دوری اور قرب کا یہ طریقہ کار بچے کے اندر وقت کی پابندی پیدا کر دیتا ہے اور یہ طریقہ کار وقت کو اتنا پھیلا دیتا ہے کہ انسان کی ہر حس اور صلاحیت اس کے اندر قید ہو جاتی ہے اور جیسے جیسے بچہ یا انسان اس قید کی زندگی میں عمر گزارتا ہے اسی مناسبت سے وہ لازمانیت سے دور ہو جاتا ہے۔

قانون

نوع انسان میں باشعور اور باصلاحیت افراد اپنی صلاحیتوں کو بالواسطہ کارآمد بنانے کے بجائے براہ راست استعمال کریں تو انسان مکانیت کی گرفت سے آزاد ہو کر لازمانی صلاحیتوں سے آشنا ہو سکتا ہے۔

سائنسدان اس مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں کہ اگر وہ الٰہی قوانین کو سمجھ لیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے فیض یاب ہو جائیں گے۔ اور ان کے اوپر سے مقید، مضطرب اور مغموم زندگی کا چولا اتر جائے گا اور ان قوانین کے سمجھنے کا آخری اور یقینی ذریعہ قرآن کریم ہے۔

انسان کو اس مرحلے تک پہنچنا ہے اس لئے کہ جب تک یہ مرحلہ طے نہیں ہو جائے گا۔ قیامت نہیں آئے گی اور قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ ذرہ، انسان یا کائنات مخزن اور مرکز کی طرف لوٹ جانے پر مجبور ہے۔ اس دور کے انسان خوش نصیب ہو سکتے ہیں، اگر وہ اپنے اصل مقام تک پہنچ جانے کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔

لازمانیت اور زمانیت

لازمانیت میں وقت کی موجودگی نہیں ہے۔ وقت کا تانا بانا صرف زمانیت میں ہے۔ انسان اگر وقت کی حیثیت سمجھ کر وقت کی نفی کر دے تو لاریب لازمانیت میں قدم رکھ دیتا ہے اور جیسے ہی لازمانیت میں قدم مستحکم ہو جاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ بندھی ہوئی ہر تخلیق اس کے لئے مسخر ہو جاتی ہے۔

مثال

الیکٹرک اسٹیشن میں موجود جنریٹر کو ایک انسان نہ صرف جانتا ہے بلکہ وہ اس پر دسترس رکھتے ہوئے اس کو کنٹرول بھی کرتا ہے۔ اس کے لئے اربوں کھربوں بلب (قمقموں) کی روشنی، دیو ہیکل کپڑا بننے والی مشین، ریڈیو، ٹی وی غرض یہ کہ اس جنریٹر سے فیڈ ہونے والی ہر شئے اس کے تابع ہے وہ جب چاہے جنریٹر سے متعلق حرکت کو روک دے اور جب چاہے اسے چلا دے۔

وقت۔۔۔؟

حقیقت یہ ہے کہ جنریٹر کی طرح لازمانیت بھی ایک نقطہ ہے اس نقطہ میں پوری کائنات موجود ہے اور یہ کائنات روشنی یا لہروں یا تاروں کے ذریعے متحرک رہتی ہے۔ کائنات کے نقوش ایک جگہ ہیں مگر حرکت میں آنے کے بعد جب ان سے تار باندھے گئے تو یہ نقوش الگ ہو گئے اور یہ الگ الگ ہونا وقت ہے۔ وقت کی اس کار فرمائی نے انسان کو لاوقت (لازمانیت) سے دور پھینک دیا ہے۔ چونکہ ہم بنیادی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہر چیز الگ ہے اور ہر چیز کے درمیان فاصلہ ہے اس لئے ہم لازمانیت کا علم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جبکہ ہم کسی بھی حال میں لازمانیت سے رشتہ منقطع نہیں کر سکتے۔

قانون یہ ہے کہ صلاحیتیں کروٹیں بدلتی رہتی ہیں اور ہم اس صلاحیت کو دانستہ نادانستہ برابر استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ہوائی جہاز انسان نے بنایا۔ ہوائی جہاز یعنی رفتار کی تیزی انسان کے دماغ کی اختراع ہے مگر انسان خود مجبور ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی صلاحیت کو ہوائی جہاز کے ساتھ قید کرلیا ہے۔

انسانی صلاحیت کا کتنا بڑا شاہکار ہے کہ اس نے ایٹم دریافت کیا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا کہ انسان نے ایٹم یا ایک ذرہ کو لاکھوں انسانوں پر فضیلت بخش دی ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ نوع انسان کے ایک یا چند افراد نے اپنی ذہنی اور لافانی صلاحیتیں اس بات میں صرف کی ہیں کہ اس نے ایک ذرہ کو کئی لاکھ انسانوں پر نہ صرف فضیلت دے دی بلکہ لاکھوں انسانوں کی موت اس ذرہ کے اندر ذخیرہ کر دی ہے۔

نوع انسان پر اس سے زیادہ اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ اس کی نوع کے افراد پوری نوع کی قیمت گھٹا کر نوع کے مقابلے میں ذرہ کی قیمت بڑھا رہے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ جب ذہن انسانی ایک ذرہ سے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا کام لے سکتا ہے تو وہ کیوں اس صلاحیت سے براہ راست پوری نوع کو ابدی زندگی سے روشناس نہیں کر سکتا؟

زمین پر پہلا انسان

جب کچھ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میری ربوبیت، خالقیت اور قدرت کا مظاہرہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں جب یہ بات آئی کہ میری عظمت ظاہر ہو تو یہ بات واضح ہو گئی کہ عظمت خالق کو پہچاننے اور اللہ تعالیٰ کو جاننے کے لئے کوئی مخلوق موجود ہو۔

خالق اور مخلوق

جیسے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ میں پہچانا جاؤں خالق کے ارادے میں جو کچھ تھا قاعدوں، ضابطوں، فارمولوں اور شکل وصورت کے ساتھ عالم وجود میں آگیا۔ عالم وجود کا نام کائنات ہے۔ کائنات ایک ایسے خاندان کا نام ہے جس میں بے شمار نوعیں ایک کنبے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان نوعوں میں فرشتے، جنات، انسان، جمادات اور نباتات، حیوانات، زمین، سماوات اور بے شکار کہکشانی نظام ہیں۔ خالق کائنات نے ان نوعوں کو سننے، دیکھنے، سمجھنے، خود کو پہچاننے اور دوسروں کو جاننے کی صلاحیت عطا کی۔ ان صلاحیتوں سے نوعوں نے یہ بات سمجھ لی کہ جس عظیم اور بابرکت ہستی نے انہیں تخلیق کیا ہے وہ قادر مطلق ذات اللہ تعالیٰ ہے۔

عظمت و ربوبیت اور خالقیت کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ ایسی مخلوق موجود ہو جو حکمت کائنات کے رموز سے واقف ہو۔ واقفیت کے لئے لازم تھا کہ مخلوق ان صفات کی حامل ہو جو کائنات کی تخلیق میں کام کر رہی ہیں۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات پر تخلیق کیا اور اسے ان صفات کا علم عطا کر کے خلافت و نیابت سے سرفراز کیا۔

مٹی خلاء ہے۔۔۔

قرآن حکیم میں جہاں انسان کی تخلیق کا تذکرہ ہوا ہے وہاں یہ بات وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ انسان کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مٹی کو بجنی اور کھنکناتی فرمایا ہے یعنی خلاء مٹی کے ہر ذرے کی فطرت (Nature) ہے۔

سوال: انسان کیا ہے؟

جواب: عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ انسان محض گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنا ہوا جسم ہے۔ اس کی تمام دلچسپیاں اور توجہ مادی جسم پر مرکوز رہتی ہیں اور وہ اپنی توانائی اس جسم کو پروان چڑھانے اور آسائش بہم پہنچانے میں استعمال کرتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصل انسان گوشت پوست کا جسم نہیں بلکہ اصل انسان وہ ہے جو اس جسم کو متحرک رکھتا ہے۔ یہ اصل انسان جو مادی جسم کو سہارا دیتا ہے "روح" ہے۔

عظیم روحانی سائنسدان حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے کتاب "لوح و قلم" میں اس بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے: "ہم اپنے مادی جسم کی حفاظت کے لئے لباس بناتے ہیں۔ لباس خواہ اونی ہو، سوتی ہو، نائیلون کے تاروں سے بنا ہو یا ریشم سے بنا ہوا ہو جب تک گوشت پوست کے جسم پر موجود ہے اس میں حرکت رہتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی آدمی ہاتھ ہلائے اور قمیض کی آستین نہ ہلے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ قمیض کو چارپائی پر ڈال دیا جائے یا کھونٹی پر لٹکا دیا جائے تو اس کے اندر حرکت اسی طرح پیدا ہو جس طرح زندہ جسم کی حرکت کے ساتھ لباس میں حرکت ہوتی ہے۔"

اصل بات یہ ہے کہ لباس کی حرکت جسم کے تابع ہے۔ سوتی یا اونی یا کھال سے بنائے ہوئے لباس میں ذاتی حرکت نہیں ہوتی۔ جب روح آدمی سے بے تعلق ہو جاتی ہے اور آدمی مر جاتا ہے تو کپڑے سے بنے ہوئے لباس کی طرح گوشت پوست اور رگ پٹھوں سے مرکب مادی جسم کے اندر بھی کوئی حرکت یا قوت مدافعت باقی نہیں رہتی۔ جب تک روح اس لباس کو پہنے ہوئے تھی اس لباس میں حرکت اور قوت مدافعت موجود تھی۔

پس ثابت ہوا کہ ہم گوشت پوست کے جس انسان کو اصل انسان کہتے ہیں وہ اصل انسان نہیں ہے بلکہ اصل انسان کا لباس ہے۔

سوال: روح کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے سیدنا حضور ﷺ سے فرمایا:

"یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔"
(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۸۵)

امر کی تعریف سورہ یٰسین میں اس طرح کی گئی ہے:

"اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو" اور وہ "ہو" جاتی ہے۔"

(سورۃ یٰسین۔ آیت ۸۲)

ان آیات میں تفکر سے یہ حکمت سامنے آتی ہے کہ آدمی جسمانی اعتبار سے ناقابل تذکرہ شئے ہے۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح اصل انسان ہے اور وہی اصل انسان صفات الٰہیہ کا علم رکھتا ہے۔

سورۃ البقرہ میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے:

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا تذکرہ فرشتوں سے کیا اور انہیں بتایا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ (حضرت) آدم رات دن تیری عبادت کرے گا اور تیری عظمت اور بزرگی بیان کرے گا تو ہم اس کام کے لئے موجود ہیں۔ ہم ہر لمحہ تیری حمد و ثناء بیان کرتے ہیں اور بغیر کسی حیل و حجت کے تیرا حکم بجالاتے ہیں۔ اس مٹی کے پتلے سے فتنہ و فساد کی بو آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی بات کو رد نہیں کیا اور ارشاد فرمایا کہ

"جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کائنات کے رموز اور فارمولوں کا علم عطا کر کے فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرشتوں سے کہا:

"اگر تم حکمت کائنات سے واقف ہو تو بیان کرو۔"

فرشتوں نے عرض کیا کہ

"ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے اور حقیقت میں علم و حکیم تو آپ کی ذات ہے۔"

جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کا مظاہرہ کیا تو شرف انسان پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کرکے ان کی حاکمیت تسلیم کریں۔

ابلیس اپنے غرور اور تکبر میں بھول گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور جنات دونوں خدا کی مخلوق ہیں۔ مخلوق کی حقیقت خالق سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ شیطان غرور و تکبر میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مرتبہ کی بلندی اور پستی اس مادہ کی بناء پر نہیں ہے جس سے انسان کا خمیر تیار کیا گیا ہے بلکہ ان صفات پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ودیعت کی ہیں۔

ابلیس نے جب یہ دیکھا کہ حکم کی خلاف ورزی نے اسے رب العالمین کی آغوش رحمت سے دور کر دیا ہے تو اس نے توبہ اور ندامت کے بجائے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور اپنی گمراہی کا ذمہ دار (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو ٹھہرایا اور کہا کہ ”میرے رب یہ بات ہے تو مجھے اس روز تک کے لئے مہلت دے جبکہ سب انسان دوبارہ اٹھائے جائینگے۔ فرمایا۔ اچھا تجھے مہلت ہے اس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے۔ وہ بولا۔ میرے رب جیسا تو نے مجھے بہکایا اسی طرح زمین پر ان کے لئے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا، سوائے ان بندوں کے جنہیں تو نے خالص کر لیا ہو۔“

(سورۃ الحجر۔ آیت ۳۶ تا ۴۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اپنے حربے استعمال کر کے دیکھ لے میرے بندے تیرے دھوکے میں نہیں آئیں گے۔ ابلیس اپنی گستاخی کی بناء پر راندۂ درگاہ قرار پایا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو جو مقام عطا ہوا وہ اسماء کا علم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خود کو جنت میں دیکھا۔ جنت ایسی فضا ہے جس میں کثافت نہیں ہے۔ جہاں زندگی کا وہ رخ سامنے رہتا ہے جس رخ میں سکون ہے، راحت و آسائش ہے۔ حاکمیت اور تسخیر کائنات کا احساس ہے۔

اللہ کریم کی قدرت کاملہ کا مظاہرہ ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت بی بی حوا کے وجود کی تخلیق عمل میں آئی۔ جنت کا وسیع و عریض رقبہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کے لئے مسخر کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

”جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو لیکن ایک مخصوص درخت کے قریب جانے سے منع کر دیا گیا۔ ابلیس نے موقع پا کر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت بی بی حواؑ کو باور کرایا کہ جس درخت کے پاس جانے سے انہیں منع کیا گیا ہے وہ شجر ”شجرِ خُلد“ ہے اس کا پھل کھانا جنت میں سرمدی آرام و سکون کا ضامن ہے۔“

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوأ درخت کے قریب تو چلے گئے لیکن سہو ہو جانے کے احساس نے انہیں پریشان کر دیا۔ جنت کی دائمی خوشی اور آرام وسکون بے سکونی میں تبدیل ہو گیا۔ جنت کے آزاد حواس پس پردہ چلے گئے اور پابند حواس حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوأ پر مسلط ہو گئے۔ بھول ہو جانے کے بعد انہیں برہنگی کا احساس ہوا اور ستر پوشی کے خیال کے تحت وہ پتوں سے تن ڈھانپنے لگے۔ گویا انسانی تمدن کا یہ آغاز تھا کہ تن ڈھانپنے کے لئے سب سے پہلے پتوں کا استعمال کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے باز پرس ہوئی کہ ممانعت کے باوجود حکم عدولی کیوں ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام مقبول بارگاہ الٰہی تھے اس لئے انہوں نے شیطان کی طرح مناظرہ نہیں کیا اور اپنی غلطی کو تاویلات کے پردے میں چھپانے سے باز رہے۔ ندامت وشرمساری کے ساتھ اقرار کیا کہ غلطی ہو گئی مگر اس کا سبب سرکشی نہیں بلکہ نسیان اور بھول ہے توبہ استغفار کے ساتھ عفو ودرگذر کا خواستگار ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو قبول فرمالیا اور معاف کر دیا اور یہ فیصلہ سنایا کہ تم کو اور تمہاری اولاد کو ایک معین وقت تک زمین پر قیام کرنا ہو گا اور تمہارا دشمن ابلیس بھی اپنے تمام سامان عداوت کے ساتھ وہاں موجود رہے گا۔

تم کو خیر وشر کے درمیان زندگی بسر کرنا ہو گی۔ اگر تم اور تمہاری اولاد مخلص اور صالح بندے ثابت ہوئے تو تمہارا اصلی وطن ”جنت“ تمہیں عطا فرمادیا جائے گا۔

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں سب سے پہلا تذکرہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ قرآن کریم نے تاریخی واقعات کو صرف اس لئے بیان نہیں کیا کہ یہ وہ واقعات ہیں جن کا تاریخ میں درج ہونا ضروری ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان واقعات میں مخفی حکمتوں کو تلاش کیا جائے اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج سے سبق حاصل کر کے عمل کی راہیں متعین کی جائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں بے شمار حکمتیں مخفی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

* حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا شرف اس علم ان صفات کی بناء پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مٹی کے پتلے میں اپنی روح پھونکنے کے بعد اسے عطا کر دی ہیں۔

* انسان اگر اپنی حقیقت (روح) سے واقف ہے اور ان قاعدوں، ضابطوں اور فارمولوں سے واقف ہے جو کائنات کے پس پردہ کام کر رہے ہیں تو وہ مخلوق میں افضل ہے بصورت دیگر اس کی حیثیت مٹی کے پتلے کی ہے جس کے اندر اپنی ذاتی کوئی حرکت نہیں ہے۔

* غلطی ہونے کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے عاجزی کا مظاہرہ کیا جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو عجز و انکساری پسند ہے۔

عجز و انکساری کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے۔

* عجز کے مقابلے میں گستاخی یا بغاوت بڑی سے بڑی نیکی اور بھلائی کو کھا جاتی ہے۔ ہمارے سامنے ہے کہ ابلیس کو کبر و نخوت اور گستاخی نے راندۂ درگاہ کر دیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد

بزندانِ لعنت گرفتار کرد

(تکبر نے عزازیل کو ذلیل خوار کر دیا اور لعنت کے قید خانے میں گرفتار (قید) کر دیا)

* اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں جسے چاہیں عزت دیں جسے چاہیں ذلت دیں۔ عزت و شرف اور لعنت و رسوائی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

* تخلیق آدم قدرت کا منفرد کرشمہ ہے۔ مٹی کے پتلے کو گوشت پوست کی صورت دے دی۔ مٹی کو گوشت پوست، ہڈی، خون، دل، پھیپھڑے، دماغ میں تبدیل کر دینا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اگر انسان اپنی مادی تخلیق پر غور کرے تو عقل حیران رہ جاتی ہے کہ یہ سارا جسمانی نظام بغیر کسی مادی کنکشن (Connection) کے متحرک ہے اور کسی لمحہ بھی یہ حرکت ساقط نہیں ہوتی اور اگر کسی وجہ سے اس نظام میں خلل واقع ہو جائے تو جدید ترین آلات کا استعمال بھی جسم کے کل پرزوں کو اس طرح متحرک نہیں رکھ سکتا جس طرح قدرت حرکت می رکھتی ہے مثلاً دل ہمارے سارے بدن میں خون پہنچانے کے لئے ایک آلہ ہے جو ایک منٹ میں ستر بہتر بار سکڑتا اور پھیلتا ہے اور دل کی یہ خدمت ساری عمر جاری رہتی ہے۔ کارکردگی میں اگر فرق آ جائے تو علاج پر لاکھوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔

* گردن سے رانوں کے اوپر تک ہمارا جسم ایک صندوق کی طرح ہے۔ اس صندوق کی دیواروں کے درمیان (پسلیوں کے نیچے) پھیپھڑے ہیں۔ سانس اندر جانے اور باہر نکلنے کا دارومدار پھیپھڑوں کے سکڑنے اور پھیلنے پر ہے۔ آدمی ایک منٹ میں سولہ (۱۶) یا سترہ (۱۷) بار سانس لیتا اور نکالتا ہے۔ انسان سانس اسی وقت لے سکتا ہے جب ہوا اور آکسیجن موجود ہو۔

* انسان کی بنیادی ضرورت میں پانی کو بڑا دخل ہے پانی نہ ہو تو زندگی بنجر ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی طرف سے ہر چیز مفت عطا کی ہے نہ کوئی فیس ہے اور نہ کوئی بل آتا ہے۔

* اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور راز بے شمار ہیں ان رازوں سے وہ لوگ واقف ہو جاتے ہیں جو عارف باللہ اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کے حامل ہیں۔

محققین کی رائے ہے کہ قرآن کریم میں صرف ''حوا'' کی تخلیق کا ذکر نہیں ہے بلکہ عورت کی تخلیق کے متعلق اس حقیقت کا اظہار ہے کہ وہ بھی مرد کا حصہ ہے۔ اس حقیقت کو اس طرح سمجھا جائے حضرت آدم علیہ السلام کے اندر عورت کا وجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں رخوں کا مظاہرہ ہو تو عورت کے وجود کو حضرت آدم علیہ السلام سے الگ کر دیا۔

عورت کے دو رُخ

علماء باطن کہتے ہیں یہاں ہر شئے دو رخوں سے مرکب ہے۔ مرد کا وجود بھی دو رخوں پر قائم ہے اور عورت کا وجود بھی دو رخوں پر قائم ہے۔ عورت کے اندر مرد چھپا ہوا ہے اور مرد کے اندر عورت چھپی ہوئی ہے۔ اگر آدم کے اندر حوا نہ ہوتی تو حوا کی پیدائش ممکن نہیں تھی۔ دوسری مثال عورت کے اندر سے آدم کی پیدائش ہے جس کو آسمانی کتابوں نے ''عیسیٰ علیہ السلام'' کا نام دیا ہے۔ ہر فرد دو پرت سے مرکب ہے۔ ایک پرت ظاہر ہے اور غالب رہتا ہے اور دوسرا پرت مغلوب اور چھپا ہوا رہتا ہے۔ مرد ہو یا عورت دونوں دو رخوں سے مرکب ہیں۔ ایک ظاہر رخ اور ایک باطن رخ۔

قانون

عورت میں ظاہر رخ عورت کے خدوخال میں جلوہ نما ہو کر ہمیں نظر آتا ہے اور باطن رخ وہ ہے جو نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مرد کا ظاہر رخ مرد کے خدوخال بن کر ہمارے سامنے آتا ہے اور باطن رخ وہ ہے جو مخفی رہتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مرد بحثیت مرد جو نظر آتا ہے وہ اس کا ظاہر رخ ہے اور عورت بحیثیت عورت جو نظر آتی ہے وہ اس کا ظاہر رخ ہے۔ مرد کے ظاہر رخ کا متضاد باطن رخ ''عورت'' کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اور عورت کے ظاہر رخ کے ساتھ اس کا متضاد باطن رخ ''مرد'' لپٹا ہوا ہے۔

افزائش نسل اور جنسی کشش کا قانون بھی ان ہی دو رخوں پر قائم ہے۔ عورت کے اندر باطن رخ مرد چونکہ مغلوب ہے اور غالب خدوخال میں نمودار وہ رخ جو مظہر نہیں بنا غالب اور مکمل رخ کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے اندر جذب ہونے کے لئے بے

قرار رہتا ہے۔ اسی طرح مرد کے اندر چھپا ہوا پرت "عورت" چونکہ مغلوب ہے اس لئے وہ بھی عورت کے ظاہری رخ سے ہم آغوش ہو کر اپنی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔

علماء باطن فرماتے ہیں کہ قانون قدرت کے مطابق اگر ذہنی مرکزیت کسی ایک رخ پر قائم ہو جائے تو مغلوب پرت متشکل ہو جاتا ہے۔

ہابیل و قابیل

ہابیل اور قابیل حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں کے ناموں کا ذکر نہیں ہے صرف "ابن آدم" (آدمؑ کے دو بیٹے) کہا گیا ہے۔ البتہ تورات میں ان کے یہی نام بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت اس طرح ہے!

انسانی دنیا میں اضافہ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ حضرت حواؑ سے توام (جڑواں) پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا نکاح دوسری بار پیدا ہونے والے توام بچوں کے ساتھ کر دیا کرتے تھے۔

اس دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا معاملہ درپیش ہوا۔ قابیل عمر میں بڑا تھا اور اس کی بہن اقلیمہ ہابیل کی بہن غازہ سے زیادہ حسین و خوب رو تھی۔

قابیل کو یہ انتہائی ناگوار تھا کہ دستور کے مطابق اس کی بہن کی شادی ہابیل کے ساتھ کی جائے۔ فساد ختم کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ تعالیٰ کے لئے پیش کریں۔ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی وہ اپنے ارادے کو پورا کرنے کا مستحق ہوگا۔

آگ اور قربانی

توریت کے مطابق اس زمانے میں قربانی کا یہ الہامی دستور تھا کہ نذر کی چیز کسی بلند جگہ پر رکھ دی جاتی تھی اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ اس قانون کے مطابق ہابیل نے اپنے ریوڑ دے ایک بہترین دنبہ خدا کی نذر کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی کے غلے میں سے کرم خوردہ (کیڑا لگا ہوا) غلہ قربانی کے لئے پیش کیا۔ روایت کے مطابق ہابیل کی قربانی قبول ہوئی۔ قابیل اس توہین کو برداشت نہیں کر سکا اور اس نے غیظ و غضب میں ہابیل سے کہا کہ

"میں تجھ کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا تاکہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔"

ہابیل نے جواب دیا۔

’’میں تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ باقی تیری جو مرضی ہے وہ کر۔ راہ خدا میں نیک نیت کی نذر قبول ہوتی ہے۔ وہاں بری نیت کی دھمکی کام آتی ہے اور نہ بے وجہ کا غم و غصہ کام آتا ہے۔‘‘

قابیل پر اس نصیحت کا الٹا اثر ہوا اور اس نے مشتعل ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

آدم زاد کی پہلی موت

قتل کے بعد قابیل حیران تھا کہ نعش کا کیا کرے۔ ابھی نسل آدم موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔

قابیل نے دیکھا کہ کوے نے زمین کو کرید کرید کر گڑھا کھودا۔ قابیل نے فیصلہ کیا کہ مجھے بھی اپنے بھائی کے لئے اسی طرح گڑھا کھودنا چاہئے اور بعض روایات میں ہے کہ کوے نے دوسرے مردہ کوے کو اس گڑھے میں چھپا دیا۔ قابیل نے دیکھا تو بے حد افسوس کیا اور کہا:

’’میں اس حیوان سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اپنے جرم کو چھپانے کی اہلیت بھی نہیں رکھتا، ندامت اور پچھتاوے کے احساس کے ساتھ اپنے بھائی کی نعش کو سپرد خاک کر دیا۔‘‘

اس واقعہ سے دو قسم کی طرز فکر کا پتہ چلتا ہے۔ ایک شیطانی طرز فکر اور دوسری رحمانی طرز فکر۔ قابیل کی طرز فکر شیطانی جبکہ ہابیل کی طرز فکر رحمانی تھی۔ غصہ شیطانی طرز فکر کا مظاہرہ ہے۔ اس کے برعکس حلم و بردباری رحمانی طرز فکر کا پرتو ہے۔ شیطانی طرز فکر کے زیر اثر ہر عمل گھاٹے کا سودا ہے اور رحمانی طرز فکر کے تحت انجام پانے والے اعمال سراپا خیر ہیں۔

روشنی اور جسم

طرز فکر اگر مثبت اور انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث اولیاء اللہؒ کی طرز فکر سے ہم آہنگ ہے تو اس سے جو بھی عمل صادر ہوتا ہے وہ نوع انسانی اور دیگر مخلوق کے لئے سکون و راحت کا باعث ہوتا ہے اور طرز فکر اگر محدود ہے، ذاتی منفعت اور انفرادی اغراض کے خول میں بند ہے تو تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال فی الوقت نوع انسانی کے اجتماعی مفاد میں نہیں ہے کیونکہ صلاحیتوں کا استعمال صرف اور صرف اس لئے ہے کہ کسی ایک فرد یا مخصوص گروہ کی اجارہ داری قائم کر کے افراد کو محکوم بنا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ منظر عام پر آنے والی نئی نئی ایجادات سکون و آرام کے بجائے نوع انسانی کے لئے پریشانی اور بے سکونی بن گئی ہیں۔

انبیاء کرامؑ چونکہ ایسی طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں جس میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ تعالیٰ ہے، کسی چیز کا رشتہ براہ راست ہم سے نہیں بلکہ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت قائم ہے۔ لہٰذا ان کی سوچ لامحدود وسعت کی حامل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان فرستادہ بندوں سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات کے تحت جو تخلیقات ظہور میں آتی ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی فلاح کا سامان میسر آتا ہے۔ کیوں کہ وہ مظاہر کے پس پردہ کام کرنے والی حقیقت سے باخبر ہوتے ہیں اور حقیقت میں ذہنی انتشار نہیں ہوتا۔ حقیقت کے اوپر غم اور خوف کے سائے نہیں منڈلاتے۔ حقیقی دنیا سے متعارف بندے ہمیشہ پرسکون رہتے ہیں۔

راسخ فی العلم برگزیدہ ہستیوں کے دیئے ہوئے سسٹم اور تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے نوع انسانی سکون آشنا زندگی سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔

مشاہداتی نظر

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں فرمایا ہے کہ

"اس کتاب میں شک نہیں ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کیلئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔"
(سورۃ البقرہ۔ آیت ا)

غیب پر یقین رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ مشاہداتی نظر کے حامل ہوں۔ ان کے اندر غیب بین نظر کام کرتی ہو۔ جب تک انسان کے اندر مشاہداتی نظر کام نہیں کرے گی اس کے لئے کائنات تسخیر نہیں ہو گی۔

تسخیر یہ بھی ہے کہ زمین ایک قاعدے اور ضابطے کے تحت ہمیں رزق فراہم کر رہی ہے۔ ہم زمین پر مکان بناتے ہیں تو زمین مکان بنانے میں حائل نہیں ہوتی۔ زمین اتنی سنگلاخ اور سخت جان نہیں بن جاتی کہ ہم اس میں کھیتیاں نہ اُگا سکیں، اتنی نرم نہیں بن جاتی کہ ہم زمین کے اوپر چلیں تو ہمارے پیر دھنس جائیں۔

سورج اور چاند ہماری خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔ ایک قاعدے اور ضابطے میں اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں جو ان کے اوپر فرض کر دی گئی ہے۔ چاند کی چاندنی سے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے اور سورج کی گرمی سے میوے پکتے ہیں۔ الغرض کائنات کا ہر جزو اپنا کردار ادا کر رہا ہے اور اس عمل سے ہمیں اختیاری یا غیر اختیاری فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ایک تسخیر یہ ہے کہ آپ اپنے اختیار کے تحت زمین سے، سمندر سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے، چاند سے، سورج سے اور دیگر اجزائے کائنات سے کام لے سکیں۔۔۔۔۔ اور اعلیٰ تسخیر یہ ہے کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انگلی سے اشارہ کر دیں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ دریائے نیل کو خط لکھ دیں۔ ”اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چل رہا ہے تو سرکشی سے باز آ جا ورنہ عمر کا کوڑا تیرے لئے کافی ہے۔“

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی! ”یا امیر المومنین! میں زمین پر محنت کرتا ہوں، بیج ڈالتا ہوں اور جو کچھ زمین کی ضروریات ہیں انہیں پورا کرتا ہوں لیکن بیج جل جاتا ہے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ”جب میرا اس طرف سے گزر ہو تو بتانا۔“

حضرت عمرؓ جب ادھر سے گزرے تو ان صاحب نے زمین کی نشاندہی کی۔ حضرت عمرؓ تشریف لے گئے اور زمین پر کوڑا مار کر فرمایا کہ

”تو اللہ تعالیٰ کے بندے کی محنت ضائع کرتی ہے جب کہ وہ تیری ضروریات پوری کرتا ہے۔“

اور اس کے بعد زمین لہلہاتے کھیت میں تبدیل ہو گئی۔

ہم جانتے ہیں کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے تخلیق کی ہے۔ کائنات کے تمام اجزاء بشمول انسان اور انسان کے اندر کام کرنے والی تمام صلاحیتیں ایک مرکزیت پر قائم ہیں۔

آیئے! انسان کے اندر کام کرنے والی صلاحیتوں کا سراغ لگائیں۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہمارے تصورات اور احساسات گوشت پوست کے ڈھانچے کے تابع نہیں ہیں بلکہ روح کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق روح کا علم قلیل دیا گیا ہے مگر لامحدود کا قلیل جزو بھی لامحدود ہوتا ہے۔ روح لامحدود ہے اس علم کے جاننے والے حضرات نے اس علم کو سمجھنے کے لئے اس کی درجہ بندی کی ہے اور فارمولے بنائے ہیں اور ان فارمولوں سے اپنے شاگردوں کو روشناس کیا ہے۔

نیند اور بیداری

روح شناسی سے منکشف ہوتا ہے کہ دو صورتیں ایسی ہیں جس کا تجربہ لازمی طور پر ہر انسان کو حاصل ہے۔ ایک تجربہ جو زندگی کے ہر دوسرے قدم پر اسے حاصل ہے وہ سونے کی حالت یعنی نیند ہے۔ انسانی زندگی دو رخوں میں سفر کرتی ہے ایک بیداری اور دوسرا رخ نیند ہے۔

جس طرح انسان سونے پر مجبور ہے اسی طرح بیداری بھی اس کی مجبوری ہے۔ وہ ان دونوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ زندگی کا سفر ان ہی دو حالتوں میں جاری ہے۔ بیداری کی حالت میں کوئی آدمی اپنی زندگی کے سارے تقاضے اور ساری حرکات و سکنات، واردات و کیفیات، توہمات، خیالات، تصورات، احساسات کا رشتہ گوشت پوست کے جسم سے قائم کرتا ہے اور ان سب کو گوشت پوست کے جسم کے تابع تصور کرتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس سونے کی حالت میں اس کا رشتہ گوشت پوست کے جسم سے غیر شعوری رہ جاتا ہے۔

گہری نیند میں اس کا ذہنی ربط اور تعلق جسم انسانی سے وہ نہیں رہتا جو بیداری میں ہوتا ہے لیکن وہ زندہ رہتا ہے۔ سانس کی آمد و شد برقرار رہتی ہے۔ دوسرے تجربے میں جو انسان پر وارد ہوتی ہے وہ موت ہے جب تک جسم سے روح کا تعلق رہتا ہے جسمانی حرکات و سکنات قائم رہتی ہیں اور جب یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے جسمانی حرکات و سکنات ختم ہو جاتی ہیں۔

جسمِ مثالی

زندگی کے سارے تقاضے دراصل روح میں موجود ہیں اور روح سے شعور میں منتقل ہوتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے تمام تقاضوں کے مادی خدوخال میں مظاہرے کیلئے روح اپنا ایک میڈیم (Medium) بناتی ہے۔ اس میڈیم کی مادی بنیاد اور ابتدائی حالت کو ہم کرو موسوم کا نام دے سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

”ہم نے اس میں اپنی روح ڈال دی۔“ (سورۃ ص۔ آیت ۷۲)

یعنی روح نے اپنے لئے ایک میڈیم بنالیا اور اس میڈیم کو حواس منتقل کر کے متحرک کر دیا۔ روح مادی جسم کو ایک ایجنسی کے ذریعے حواس منتقل کرتی ہے۔ اس ایجنسی کو جسم مثالی کہتے ہیں۔ روح جو اطلاعات جسم کو دینا چاہتی ہے وہ اطلاعات اور تقاضے جسم مثالی وصول کرتا ہے اور ان تقاضوں کے اثرات گوشت پوست کے جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔

جسم مثالی انسان کے مادی جسم کے اوپر روشنیوں سے بنے ہوئے ایک لطیف جسم کی صورت میں ہوتا ہے۔ روشنیوں سے بنا ہوا یہ جسم صرف انسان کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ زمین کے اوپر جتنی بھی مخلوق موجود ہے سب اس ہی طرح روشنیوں سے بنے ہوئے جسم کی ذیلی تخلیق ہیں۔

اس بات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ انسانی زندگی میں جتنے تقاضے موجود ہیں یہ تقاضے گوشت پوست اور رگ پٹھوں سے مرکب جسم میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ روح ان کی اطلاع جسم مثالی کو دیتی ہے، وہاں سے منتقل ہو کر یہ اطلاع گوشت پوست کے جسم پر ظاہر ہوتی ہے۔

اگر کوئی آدمی روٹی کھاتا ہے تو بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ گوشت پوست کا آدمی روٹی کھا رہا ہے لیکن فی الحقیقت جب تک جسم مثالی کے اندر بھوک کا تقاضہ پیدا نہیں ہو گا اور جسم مثالی گوشت پوست کے جسم کو بھوک کا عکس منتقل نہیں کرے گا آدمی روٹی نہیں کھا سکتا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔ ذرا سے تفکر سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

گیارہ ہزار صلاحیتیں

محدودیت میں بند لامحدود روحانی آنکھ دیکھتی ہے کہ انسان کے اندر گیارہ ہزار صلاحیتیں کام کرتی ہیں اور ہر صلاحیت ایک علم ہے اور یہ علم شاخ در شاخ لامحدود دائروں میں پھیل جاتا ہے۔ ان گیارہ ہزار بنیادی صلاحیتوں کے استعمال کے لئے یقین کا ہونا بہت ضروری ہے اور یقین کا مطلب یہ ہے کہ یقین کا شعور حاصل ہو۔

روح کا ایک پرت ایسا ہے جو انسان کو شک وسوسوں اور بے یقینی سے دور کرتا ہے اور انسان کے اندر ان صلاحیتوں کو مستحکم کرتا ہے جو یقین کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگر کسی انسان کی مرکزیت اعلیٰ حواس کی طرف ہے تو اس پر یقین کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جیسے جیسے یقین مستحکم ہوتا ہے غیب کا انکشاف ہوتا رہتا ہے۔ جب آدمی غیب کی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اندر یقین کا وہ پیٹرن (Pattern) کھل جاتا ہے جو جانتا ہے کہ مٹی کے ذرات سے بنے ہوئے گوشت پوست کے جسم کی حیثیت عارضی اور فانی ہے۔

اس پر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ مرنے والے آدمی کے جسم کے اوپر جو روشنیوں کا جسم ہے اس نے عارضی اور فنا ہو جانے

والے مادی جسم سے رشتہ منقطع کر لیا ہے یعنی مرنے سے مراد یہ ہے کہ مٹی کے ذرات سے بنے ہوئے گوشت پوست کے آدمی کے اوپر موجود روشنیوں کا وہ جسم جو کہ روح اور مادی جسم کے درمیان رابطے کا کام دیتا ہے اس عالم آب و گل سے رشتہ منقطع کر کے عالم رنگ و نور میں منتقل ہو گیا ہے۔

عالم رنگ و نور اور غیب کے پس پردہ دیگر بے شمار عالمین سے واقف ہونے کے لئے اور اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کا استعمال سیکھنے کے لئے انبیاء کی طرز فکر اور ان کے علوم کے حامل ایسے روحانی استاد کی ضرورت ہے جو قدم قدم چلا کر شاگرد کو عرفان ذات سے ہمکنار کر دے۔

خواتین اور فرشتے

خالق کائنات نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حواؑ کو تخلیق کیا۔ یہ دونوں ایک تخلیق ہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے مذکر تخلیق کیا اور اسی سے اس کی مونث کو پیدا کیا۔

"اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو شرف حاصل ہے جو پرہیز گار ہے۔" (سورہ الحجرات۔ آیت ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا تذکرہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر کیا ہے چنانچہ سورۃ "نساء"، سورۃ "انبیاء" اور سورۃ "آل عمران" میں حضرت مریم کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ "طٰہٰ" میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا ذکر ہے، اسی طرح سورۃ "القصص" اور سورۃ "تحریم" میں حضرت آسیہ کا ذکر اور سورۃ "ہود" میں حضرت سارہ اور سورۃ "نساء" میں حضور ﷺ کی ازدواج مطہرات کو قرآن نے مخاطب کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ!

"عورت شیطان کی یورش کے خلاف ایک مضبوط قلعہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر عورت کو انتہائی اعزاز عطا فرمایا ہے کہ

"جنت ماں کے قدموں میں ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے بیگمات سے محبت اور احترام کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا!

"تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کرتے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ کا خواتین پر احسان عظیم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو اسفل السافلین سے نکال کر ایسا مقام عطا فرما دیا جہاں تقویٰ میں وہ مردوں کے برابر آ گئی ہیں۔ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود عورت نے یہ نہیں چاہا کہ وہ بے جا غلبہ سے آزاد ہو کر اپنا روحانی تشخص تلاش کرے۔

روح کا لباس

یہ ایک حقیقت ہے کہ روحانی طور پر مرد اور عورت دونوں ایک ہیں۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ عورت اور مرد کی روح الگ الگ ہے؟ دونوں کی روح ایک ہے البتہ روح کا مظاہرہ یا روپ الگ الگ ہے اور وہ مظاہرہ ایک تخلیقی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کی خدمت کرتا ہے اور مفت وسائل فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح ماں اپنی استطاعت سے بڑھ کر اولاد کے لئے سب کچھ کرتی ہے۔ اور خدمت کا صلہ یا معاوضہ نہیں لیتی۔

کہا یہ جاتا ہے کہ عورت کمزور اور ناقص ہے لیکن ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ عورت میں بھی وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں اور اسی طرح کام کر رہی ہیں جس طرح مرد کرتے ہیں۔ اگر عورت ناقص ہوتی تو مرد کی طرح عورت کے سامنے فرشتے کا ظاہر ہونا، ملاقات کرنا، گفتگو کرنا، جنت سے اس کے لئے کھانے آنا جیسی باتیں منظر عام پر نہیں آتیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب وقت پڑا تو عورت نے ایک سپاہی اور بہادر جرنیل کا کام بھی کیا ہے۔ بڑی بڑی مملکتیں اس کے زیر تصرف رہی ہیں۔ ان مملکتوں نے ترقی بھی کی ہے۔

تعلیم کا میدان ہو، کھیل کود ہو، صنعت و حرفت ہو، سیاست ہو، معلمہ کے فرائض ہوں، ایجادات و ترقی کا شعبہ ہو، لاسلکی نظام کی تحقیق ہو، عورت نے ہر جگہ بہترین قابلیت اور کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

ملت حنیف

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خداداد صلاحیتوں کو استعمال کر کے کائناتی امور پر غور کیا تو سب سے پہلے اپنے سرپرست "آزر" کو سمجھایا پھر جمہور کے سامنے حق کی روشنی کو پیش کیا اور آخر میں نمرود سے مناظرہ کر کے اس کے سامنے حق کو بہتر سے بہتر طریقہ سے پیش کیا۔ ہر لمحہ سب کو یہی تلقین کی کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش جائز نہیں اور بت پرستی اور ستارہ پرستی کا نتیجہ نقصان اور ذلت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے شرک سے باز آ جانا چاہئے اور "ملت حنیفہ" ہی کو صراط مستقیم سمجھنا چاہئے جس کی اساس و بنیاد "توحید الٰہی" پر قائم ہے۔

مگر گمراہ قوم نے کچھ نہ سنا اور رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا۔ اس وقت ایک عورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہؓ اور ایک مرد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ حضرت لوط علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا۔ پوری قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا دینے کا فیصلہ کر لیا اور دہکتی آگ میں پھینک دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ارادوں کو ذلیل و رسوا کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو "باغ" بنا دیا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت حق پہنچائیں یہ سوچ کر مقام "فدان آرام"، ہجرت کا ارادہ کرلیا، بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک و قوم سے جدا ہو کر فرات کے مغربی کنارے ایک بستی میں چلے گئے جو "اور کلار فین" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سفر میں حضرت سارہؓ اور حضرت لوط علیہ السلام ہمسفر تھے۔ اور کچھ دنوں کے بعد یہاں سے "حران" یا "حاران" کی جانب روانہ ہو گئے اور وہاں "دین حنیف" کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سفر جاری رہا اس طرح تبلیغ کرتے کرتے فلسطین پہنچے۔ کچھ عرصے کے لئے فلسطین کے مغربی اطراف میں سکونت اختیار کی۔ قریب میں ہی نابلس تھا، کچھ عرصے وہاں قیام کیا۔ یہاں بھی زیادہ عرصے قیام نہیں کیا۔ بلکہ مغرب کی طرف بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ مصر جا پہنچے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر پہنچنے سے پہلے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سارہؓ سے فرمایا کہ یہاں کا بادشاہ جابر و ظالم ہے اگر کسی حسین عورت کو دیکھتا ہے تو زبردستی چھین لیتا ہے اور اس کے ساتھ مرد کو اگر وہ شوہر ہے تو قتل کرا دیتا ہے اور اگر عورت کے ساتھ اس کا کوئی عزیز ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ تم چونکہ میری دینی بہن بھی ہو اور اس سرزمین میں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مسلمان نہیں ہے اس لئے تم اس سے یہ کہہ دینا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رات کے وقت بادشاہ نے تصرف کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا اور وہ کسی طرح حضرت سارہؓ کو ہاتھ نہ لگا سکا۔

یہ دیکھ کر اس نے حضرت سارہؓ سے کہا۔ اپنے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ میرا ہاتھ صحیح ہو جائے اور اگر ایسا ہو جائے گا تو میں تجھے رہا کر دوں گا۔ حضرت سارہؓ نے دعا کی اور اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ مگر وہ شیطنت سے باز نہ آیا اور دوبارہ اس کے ہاتھ پر فالج گر گیا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی واقعہ پیش آیا تو اس نے کہا یہ جن ہے انسان نہیں ہے۔ اس کو میرے پاس سے لے جاؤ۔ حضرت سارہؓ حضرت ہاجرہؓ کو ساتھ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو انہوں نے حال دریافت کیا۔ حضرت سارہؓ نے مبارکباد دی اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے ہماری حفاظت کی اور بادشاہ نے آپ کے لئے ایک خادمہ دی ہے۔

ہاجرہ اصل میں عبرانی لفظ "ہاغار" ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں۔ ان کا وطن چونکہ مصر تھا اس لئے یہ نام پڑ گیا۔ لیکن اسی اصول کے پیش نظر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ 'ہاغار' کے معنی "جدا ہونے والے" کے ہیں اور عربی میں 'ہاجر' کے معنی بھی یہی ہیں یہ چونکہ اپنے وطن مصر سے جدا ہو کر یا ہجرت کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریک حیات اور حضرت سارہؓ کی خدمت گزار بنیں اسی لئے ہاجرہؓ کہلائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابھی تک اولاد سے محروم تھے۔ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرزند کے لئے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبولیت بخشی اور یہ دعا اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھوٹی بیگم حضرت ہاجرہؓ امید سے ہو گئیں۔

بڑی بیگمؒ، چھوٹی بیگمؒ

لفظ ابراہیم ”اب“ اور ”راحم“ سے مرکب ہیں جس کے معنی ہیں ”مہربان باپ“۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا انتقال ان کے بچپن میں ہو گیا تھا ان کے والد کا نام ’تارح‘ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش ان کے چچا نے کی۔ چچا کا ذریعہ معاش بت تراشی تھا۔ ان کے بنائے ہوئے بتوں کو بادشاہ اور اعلیٰ حکومتی عہدیدار پوجتے تھے۔

آذر کو ’ادار‘ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ’ادار‘ بڑے پجاری یا مندر کے محافظ کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں آذر کے لئے ”ابیہ“ (اس کا باپ) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ”اور“ میں ہوئی جو جنوبی عراق میں فرات کے کنارہ بابل اور نینوا کے پاس آباد تھا۔ آج کل یہ مقام ”تل ابیب“ کے نام سے مشہور ہے۔ برٹش میوزیم اور فلاڈلفیا میوزیم کی مشترکہ ٹیم نے ایک شہر کے آثار دریافت کئے ہیں۔ وہاں سے ملنے والے کتبات کے مطابق پانچ ہزار بتوں کے نام ملے ہیں۔

بادشاہ کو سورج دیوتا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ عوام نذر میں نقد رقم اور دوسری چیزیں مندر میں دیتے تھے۔ باغات، مکانات اور زمینیں مندر کے لئے وقف تھیں۔ پجاری کے فیصلے نعوذ باللہ خدا کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ دربار شاہی میں سجدہ کیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے پہلے نمرود نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک روشن ستارہ چمک رہا ہے۔ نمرود نے یہ خواب نجومیوں کو بتایا کہ وہ خواب کی تعبیر بتائیں۔ نجومیوں نے کہا!

”اس سال ملک میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو بادشاہ اور سلطنت کے لئے خطرہ ہے۔“

بادشاہ نے شاہی فرمان کے ذریعے ملک بھر میں ہر عورت اور مرد کے (میاں بیوی) اختلاط پر پابندی لگا دی اور حکم جاری کر دیا کہ جو بھی بچہ پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔

روایت میں ہے کہ اس ظالمانہ حکم کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ”اوشہ“ شہر سے باہر ایک غار میں روپوش ہو گئیں۔ اس غار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن اس غار میں گزارا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب جوان ہوئے اس وقت ایسا ماحول تھا کہ بت خانوں میں ہر طرف بت رکھے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نور فراست سے نوازا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھتے تھے کہ بت سنتے نہیں ہیں، دیکھتے نہیں ہیں، کسی بات کا جواب نہیں دیتے تو یہ کیسے کسی کو نقصان یا نفع پہنچا سکتے ہیں؟

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔۔۔

"پھر جب رات کی تاریکی چھا گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک ستارہ دیکھا۔ فرمایا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا، پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں، پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اے قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" (سورۃ انعام۔ آیت ۷۷، ۸۰)

روایت کے مطابق جب کنعان کے پورے علاقے میں قحط پڑا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پڑوسی زرعی ملک مصر کی طرف ہجرت فرمائی۔ مصر میں فراعنہ کا دور تھا۔ پیشہ کے اعتبار سے یہ چرواہے تھے اور شاہی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بادشاہ کو جب اطلاع ملی کہ ایک سامی نسل کے بزرگ آئے ہیں۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت خاطر تواضع کی اور قدیم خاندان سے تعلق کی بناء پر بی بی سارہؓ سے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن جب اسے پتا چلا کہ بی بی سارہؓ شادی شدہ ہیں تو اس نے اپنی بیٹی حضرت ہاجرؓ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر کے تعلق استوار کر لیا۔

مال اور زر اور مویشی بھی پیش کئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ۸۵ سال تھی۔ ابھی تک وہ لاولاد تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں صاحب اولاد ہونے کی دعا کی۔

"اے میرے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔" (سورۃ الصّٰفٰت۔ آیت ۱۰۰)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"پھر ہم نے اسے ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔" (سورۃ الصّٰفٰت۔ آیت ۱۰۱)

حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام اشموعیل رکھا جو بعد میں کثرت استعمال سے اسماعیل ہو گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت محبت کرتے تھے گود میں لے کر پھرتے تھے اور کبھی اپنے کندھوں پر بٹھا کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سیر کراتے تھے۔

حضرت ہاجرہؓ اور حضرت سارہؓ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت کوشش کی کہ دونوں بیویوں کا اختلاف ختم ہو جائے اور وہ گھر میں پیار محبت سے رہیں مگر دونوں بیگمات میں ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بی بی ہاجرہؓ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ چلے جائیں۔ جب وادی ام القریٰ پہنچے۔ ماں بیٹے کو وہاں چھوڑ کر کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ رکھ کر کچھ کہے سنے بغیر واپس جانے لگے تو بی بی ہاجرہؓ نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

"اے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے! آپ ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کے جا رہے ہو؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ کے سہارے۔"

بی بی ہاجرہؓ نے پوچھا۔ "کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ "ہاں! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔"

پاک باطن خاتون حضرت ہاجرہؓ نے عرض کیا۔ "آپ تشریف لے جائیں بے شک اللہ تعالیٰ ہمارا کفیل ہے، وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔"

حضرت ہاجرہؓ چند روز تک کھجوریں کھاتی رہیں اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں لیکن وہ وقت بھی آ گیا۔ پانی نہ رہا اور کھجوریں بھی ختم ہو گئیں کیونکہ وہ بھوکی پیاسی تھیں اس لئے دودھ بھی نہیں اترا۔ بچے کو جب بہت بھوک لگی تو وہ رونے لگا تو حضرت ہاجرہؓ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں۔ کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفہ پر چلی گئیں۔ سوچا کہ شاید کوئی آدمی نظر آ جائے یا کہیں پانی مل جائے۔ مگر کچھ نظر نہیں آیا۔ پھر بچہ کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں اور کچھ دیر ٹھہر کر دوسری طرف مروہ پہاڑی پر چلی گئیں وہاں بھی کچھ حاصل نہیں ہوا تو تیزی سے دوڑ کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آئیں اور اس طرح سات مرتبہ صفا اور مروہ کی طرف دوڑتی رہیں۔

زم زم

جب حضرت ہاجرہؓ مروہ پر تھیں تو کانوں میں سر گوشی ہوئی۔ یہ سر گوشی آواز بن گئی تو حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور فرمایا۔
"اگر تم کچھ مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ۔"

دیکھا حضرت جبرائیل علیہ السلام سامنے ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر پیر مارا اور اس جگہ سے پانی ابلنے لگا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج کل زم زم کا کنواں ہے۔ جب زمین میں سے پانی ابلنے لگا تو حضرت ہاجرہؓ نے چاروں طرف سے منڈیر بنادی خدا کی قدرت کا ظہور ہوتا رہا اور پانی کا چشمہ ابلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیض آج بھی جاری ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلایا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ہاجرہؓ سے کہا۔ خوف اور غم نہ کر اللہ تعالیٰ تجھے اور اس بچہ کو ضائع نہیں کرے گا۔ یہ بیت اللہ کا مقام ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کریں گے۔

اسی دوران بنی جرہم کا ایک قبیلہ آکر ٹھہرا۔ قبیلہ کے ایک بزرگ نے دیکھا کہ کچھ دور آسمان پر پرندے اڑ رہے ہیں۔ جرہم نے کہا یہ پانی کی علامت ہے۔ جہاں یہ پرندے اڑ رہے ہیں وہاں پانی ضرور ہے۔ جرہم نے حضرت ہاجرہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر قیام کی اجازت مانگی۔

حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا۔ تم اور تمہارا قبیلہ قیام کر سکتے ہو پانی کی ملکیت کے حصہ دار نہیں ہو گے۔ جرہم نے یہ بات بخوشی منظور کر لی۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اخلاق کردار علم اور بزرگوں کا احترام چھوٹوں کے ساتھ شفقت جرہم کو بہت پسند آئی اور انہوں نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کر دی۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب سو سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بشارت دی کہ حضرت سارہؓ کے بطن سے ایک بیٹا ہو گا۔ بیٹے کا نام اسحاق رکھنا۔

حضرت ہاجرہؓ اور حضرت سارہؓ کے حالات میں ایسے اہم نکات موجود ہیں جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ دونوں خواتین انسانی تاریخ میں قابل فخر اور اہم خواتین ہیں۔ جس پر دنیا جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

چند اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ حضرت ہاجرہؓ شہزادی تھیں مگر انہیں حضرت سارہؓ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں دے دیا گیا تھا۔

۲۔ حضرت ہاجرہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔ نبی کی زوجہ ہونا خود ایک امتیاز اور فخر کی بات ہے۔

۳۔ حضرت ہاجرہؓ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ ہیں نبی کی والدہ ہونا بڑی عظمت کی بات ہے وہ بھی ایسے نبی کی والدہ جن کے اوپر انبیاء کی طرز فکر کی تاریخ رقم ہوئی ہے۔ ایسے نبی جو اپنی قربانی کی وجہ سے تاریخ کا بے مثال باب ہیں۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس جگہ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑا تھا وہاں پانی نہیں تھا۔

۵۔ حضرت ہاجرہؓ کا دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک اس کو یادگار بنا دیا۔

۶۔ زم زم کے ظاہر ہونے سے پہلے حضرت ہاجرہؓ اور فرشتے کے درمیان گفتگو ہوئی۔ فرشتے کا تسلی دینا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ضائع نہیں کرے گا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت ہاجرہؓ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ خاتون ہیں۔

۷۔ ایک ویران مقام پر حضرت ہاجرہؓ کے قیام کی وجہ سے مکہ شہر آباد ہوا اور مکہ شہر میں بیت اللہ شریف بنا۔

۸۔ خانہ کعبہ کو بھی حضرت ہاجرہؓ سے ایک خاص نسبت حاصل ہے کہ ان کے شوہر اور بیٹے نے مل کر اسے تعمیر کیا۔

۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ویرانے میں چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا کہ ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر جب حضرت ہاجرہؓ نے کہا کہ کیا ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

"ہاں، میں یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کر رہا ہوں۔"

اس وقت جو اطمینان حضرت ہاجرہؓ کو حاصل ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ، کامل یقین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ظاہر کرتا ہے۔

۱۰۔ حضرت ہاجرہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ محترمہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر فخر کیا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

۱۱۔ حضرت سارہؓ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کی نسل میں بہت سارے پیغمبر پیدا ہوئے۔

۱۲۔ حضرت سارہؓ کا فرشتوں کو دیکھنا، گفتگو کرنا، ان کی عظمت و بزرگی کی علامت ہے۔

۱۳۔ حضرت سارہؓ کے یہاں نوے (۹۰) سال کی عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم کا ایک کھلا ثبوت ہے۔

۱۴۔ حضرت سارہؓ کی طرف حاکم مصر کا بری نیت سے ہاتھ بڑھانا اور ہاتھ کا مفلوج ہو جانا اور بار بار ایسا ہونا یہ حضرت سارہؓ کی عظمت و کرامت ہے۔

خواتین کے فرائض

ان تمام وضاحتوں اور تفصیلات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خواتین صلاحیتوں میں کسی طرح مردوں سے کم نہیں ہیں۔ خواتین کو چاہئے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اجاگر کریں۔ اپنے روحانی تشخص کو روشن کریں۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کریں اور عورتوں کو ان کے حقوق سے باخبر کر دیں۔ بزرگ خواتین پر فرض ہے کہ قرآن فہمی کے بعد عورتوں (خواتین) کو بتادیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیا حقوق عطا کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بہت نوازا ہے۔ علم و آگہی کے موجودہ زمانے میں خواتین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ جب تک خواتین اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت اپنی روحانی صلاحیتوں سے کام نہیں لیں گے۔ معاشرہ نہیں سدھرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روحانی صلاحیتوں سے محروم رہنا بلاشبہ ناشکری اور کفران نعمت ہے۔ خواتین اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر معاشرہ میں عورت کا مقام بلند کر سکتی ہیں۔ عورت اور مرد دونوں اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کے ہیں۔ سب کے اندر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں تمہارے اندر ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں۔" (سورۃ الذٰریٰت۔ آیت ۲۱)

"میں تمہاری (مرد و عورت) کی رگ جان سے زیادہ قریب ہوں۔" (سورۃ ق۔ آیت ۱۶)

"جو برائی کرے گا اس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اس نے برائی کی ہوگی اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے جہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔" (سورۃ المومن۔ آیت ۴۰)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ (بلا تخصیص) مرد و عورت کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور گناہوں کو معاف کرتے ہیں۔

تیس سال پہلے

سلسلۂ عظیمیہ کے تحت خدمت خلق کا جو پروگرام بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ تقریباً تیس برس بیشتر کراچی کے علاقے ناظم آباد کے ایک مکان سے شروع ہوا۔

آج خدا کے فضل و کرم سے اور حضور ﷺ کی شفقت کے زیر سایہ سلسلۂ عظیمیہ سے منسلک افراد تقریباً دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہیں۔ سلسلہ کے پیغام کو عوام الناس میں زیادہ سے زیادہ روشناس کرانے کے ساتھ جناب عظیمی صاحب نے اس پہلو پر بھی توجہ دی ہے کہ ایسے لوگ جمع ہو جائیں جو علم لدنی کو صحیح طرح سمجھ سکیں اور اپنی روح کا عرفان حاصل کر کے خدا کی مخلوق کے زیادہ سے زیادہ کام آئیں۔ اس طرح خدمت خلق کا جو سلسلہ ایک فرد سے شروع ہوا وہ ایک تنظیم اور ادارے کی صورت میں صدیوں تک جاری و ساری ہے۔

اس مقدس خیال کو سامنے رکھتے ہوئے اراکین سلسلۂ عظیمیہ نے منصوبہ بندی شروع کی اور قلندر شعور فاؤنڈیشن کے تحت لاہور کے بعد سرجانی ٹاؤن میں ایک قطعۂ زمین خریدا گیا۔ اس جگہ فری ڈسپنسری، تعلیمی ادارہ، لائبریری اور سلسلۂ عظیمیہ کا مرکزی مراقبہ ہال تعمیر ہوا۔

۲۸ دسمبر ۱۹۸۸ء مرکزی مراقبہ ہال کراچی کی تقریب سنگ بنیاد کا دن تھا۔ یہ پروقار تقریب سرجانی ٹاؤن کراچی میں منعقد ہوئی۔ آیئے آپ کو اس تقریب کے بارے میں بتاتے ہیں۔

سرجانی ٹاؤن ابھی غیر آباد ہے اور عام افراد خاص طور پر پہلی بار آنے والوں کو یہاں تک پہنچنے کے لئے خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد نے نہایت عقیدت و محبت سے اس تقریب میں شرکت کی۔ خواتین اور ایسے تمام افراد کے لئے جن کے پاس ذاتی سواری نہ تھی مراقبہ ہال نارتھ ناظم آباد سے ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود لوگ جوق در جوق پیدل تشریف لائے۔ سرجانی ٹاؤن کے مین روڈ سے تقریب کے مقام تک جگہ جگہ قلندر شعور فاؤنڈیشن کے کارکن آنے والوں کے استقبال اور رہنمائی کے لئے موجود تھے۔

تقریب کا آغاز دن کے ۱۱ بجے تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ قاری کے فرائض انیس احمد خان صاحب نے انجام دیئے۔ پھر جناب تنویر احمد اشرفی صاحب نے ایک خوبصورت اور پر عقیدت نعت پیش کی۔ اس کے بعد پنجاب سے آئے ہوئے ایک مہمان صوفی نذر حسین صاحب نے عارفانہ کلام پیش کیا۔

تقاریر کا آغاز جناب فضل الرحمان قریشی کی تقریر سے ہوا۔ انہوں نے کہا کہ وہ سلسلہ عظیمیہ کے شعبہ خدمت خلق سے وابستہ ہیں۔

قریشی صاحب نے بتایا کہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے نام پر آنے والے خطوط کی تعداد اوسطاً سات ہزار خطوط ماہانہ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۸ء تک عظیمی صاحب نے تقریباً سات لاکھ خطوط کے جوابات دیئے ہیں۔ ان کے بعد قلندر شعور فاؤنڈیشن کے جنرل سیکرٹری جناب ڈاکٹر حکیم وقاریوسف عظیمی نے مختصر تقریر کی جس میں انہوں نے حاضرین کی آمد کا شکریہ ادا کیا اور مرکزی مراقبہ ہال کے پروجیکٹ کی تفصیلات بتائیں۔

انہوں نے کہا کہ یہ پلاٹ، مراقبہ ہال، اسکول اور اسپتال کی تعمیر کے لئے لیا گیا ہے۔ پراجیکٹ کے تحت بننے والی عمارت کا نقشہ سلسلہ عظیمیہ کے آرکیٹیکٹ جناب اقبال احمد عظیمی بنا رہے ہیں۔ اس پراجیکٹ کی مرحلہ وار تکمیل میں تقریباً تین سال کا عرصہ لگے گا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ عمارت تین حصوں پر مشتمل ہو گی۔ پہلا فیز مراقبہ ہال اور مسجد ہو گا۔ دوسرے فیز میں اسکول اور اسپتال بنیں گے۔ تیسرے فیز میں اندرون ملک اور بیرون ملک پاکستان سے آنے والے مہمانوں کے لئے کمرے بنائے جائیں گے۔ انشاء اللہ

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اسپتال قائم ہو گا جس میں کلر تھراپی سیکشن (رنگ و روشنی سے علاج) اور ایلوپیتھی سے علاج کیا جائے گا۔ حکیم وقاریوسف عظیمی صاحب نے امید ظاہر کی کہ یہ سینٹر روحانی تعلیمات کا بہت بڑا مرکز ثابت ہو گا۔

ان کے بعد پیر طریقت سید گل آغا گیلانی صاحب نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ مراقبے کا جو سلسلہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ اور حضرت عظیمی صاحب کے توسط سے شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کا فیض جاری فرمائیں۔ میں خود بھی اور اپنے احباب اور متعلقین کو کہتا رہتا ہوں کہ اس میں شرکت کریں۔ انہوں نے اس مرکزی جامعہ کے لئے نبی کریم ﷺ کے توسط سے اللہ تعالیٰ کے فضل کی دعا کی۔

تقریب کا سب سے اہم حصہ خانوادۂ سلسلہ عظیمیہ اور قلندر شعور فاؤنڈیشن کے صدر حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی تقریر تھی۔ عظیمی صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا۔

عظیمی صاحب نے فرمایا۔

"آپ حضرات دور دراز کا سفر کر کے اس بیابان میں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے تشریف لائے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس جذبے کو قبول فرمائے اور ہم سب پر آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمت ہو۔"

"ہم سب اپنے آقا تاجدار مدینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کریں۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے اگر ہم اپنے اندر فکر کریں اور اپنا کھوج لگائیں تو یہ بہت آسان بات ہو جاتی ہے۔ اندر کی نظر جب کھل جاتی یہ تو غیب کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو جاتے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ۔۔۔

"نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔" (سورۃ النجم۔ آیت ۱۱)

معراج کا مفہوم ہے غیب کی دنیا میں سفر کرنا اور معراج کے معنی ہیں وہ آنکھ کھل جانا جس سے آدمی غیب کی دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ایک پروگرام دیا ہے اور اس پروگرام کے بارے میں فرمایا ہے کہ

"الصلوٰۃ معراج المومنین"

جو آدمی صلوٰۃ قائم کر لیتا ہے اس کو معراج نصیب ہو جاتی ہے یعنی کوئی بندہ صلوٰۃ کے ذریعے غیب کی دنیا میں داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔

لیکن جب ہم چودہ سو سال کی تاریخ کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ ہمارے بزرگ بھی نماز پڑھتے تھے۔ ہمارے اسلاف اسلام کے ایک ایک رکن کو پورا کرتے تھے۔ جو کام چودہ سو سال پہلے وہ کرتے تھے وہی کام ہم کرتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ جب ہمارے اسلاف یہ کام کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت دی، وقار دیا اور ساری دنیا پر ان کی حکمرانی قائم کر دی۔ وہی کام جو ہمارے بزرگ کرتے تھے ہم بھی کرتے ہیں لیکن ہم ذلیل و خوار ہیں۔ بدحال ہیں اور غیروں کی خیرات لینے پر مجبور ہیں۔

آیئے! ہم سب اس بات پر غور کریں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف بھی نماز پڑھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عروج بخشا اور اتنا عروج بخشا کہ دنیا کے ہر کونے میں اسلام کی حکمرانی ہو گئی تھی وہی نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں مگر ہمیں عزت و مرتبہ حاصل نہیں ہے۔

معاشرتی نظام کا یہ حال ہے کہ قرآن کہتا ہے سود حرام ہے اور جو لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں اور ہماری معیشت سودی نظام پر قائم ہے اور یہ نظام ہمیں اقوام غیر سے ملا ہے۔

جب ہم علم کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو ایک وقت تھا جب ہمارے بزرگ ایجاد کرتے تھے۔ مسلمانوں نے بڑی بڑی چیزیں ایجاد کیں ہیں۔ اور آج حال یہ ہے کہ ہم علم کے لئے بھی غیر قوموں کے محتاج ہیں۔

یہ بات طے ہو گئی کہ ہم اس لئے ذلیل و پریشان ہیں کہ ہم نے اپنے اسلاف کی روایات کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں اسے سمجھنے کے لئے ہمیں Concentration کی ضرورت ہے۔ سوچ بچار اور فکر کی ضرورت ہے اور اگر ہم میں غور و فکر نہیں ہو گا تو ہم قرآن نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارے اسلاف قرآن سے ہی تمام ایجادات اور سائنسی فارمولے بناتے تھے۔ یہ تفکر ہی تھا جس نے ان کے ذہن کے بند دریچے اور نئے راستے کھول دیئے تھے۔

کچھ عرصہ قبل جب میں امریکہ میں تھا وہاں کئی اسٹیٹس میں گیا۔ میں نے غور کیا کہ ان لوگوں کی اس مادی ترقی کا کیا راز ہے؟ میں نے دیکھا کہ وہ عنصر تھا لوہا۔

اگر وہاں ۱۱۰ منزلہ عمارت کھڑی ہے تو پوری لوہے کے ڈھانچے پر ہے۔ اگر انڈر گراؤنڈ ریلوے اسٹیشن ہیں تو سب لوہے اور کنکریٹ سے بنے ہوئے ہیں۔ پُل اوپر نیچے بنے ہوئے ہیں تو وہ لوہے کی کارفرمائی ہے، جہاز اور ہر قسم کی مشینوں میں بھی بنیادی عنصر لوہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

”ہم نے لوہا نازل کیا اور اس میں انسان کے لئے بے شمار فوائد رکھ دیئے ہیں، کوئی ہے ڈھونڈنے والا؟“ (سورۃ الحدید۔ آیت ۲۵)

آپ سائنس کی ہر ایجاد پر غور کریں آپ کو کسی نہ کسی حوالے سے لوہا نظر آئے گا اور ہر ایجاد کے پس منظر میں تفکر نظر آئے گا۔

ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن ایک دن میں ایجاد نہیں ہوئے سالوں تک بے شمار لوگوں کی خیال آزمائی، تفکر اور تجربات کے بعد یہ

وجود میں آئے ہیں۔ اگر مسلمان تفکر نہیں کریں گے تو یہ جتنے ذلیل و خوار اب ہیں اس سے کہیں زیادہ اور خوار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حاکم ہیں، خالق ہیں، رب ہیں۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا چاہتے ہیں تو اس کائناتی نظام میں تفکر کریں۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"دیکھو ہم نے آسمان کو کس طرح بلند کر دیا کہیں کوئی ستون نظر نہیں آتا اور ہم نے پہاڑوں کی کیلیں اور میخیں بنا کر کس طرح زمین میں گاڑ دیا اور دیکھو ہم نے زمین کو کیسی وسعت دی نہ اس کو ایسا نرم رکھا کہ تم اس میں دھنس جاؤ اور نہ اتنا سخت کہ تم ٹھوکریں کھا کر گرو۔"

چودہ سو سال سے نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام دہرانے کیلئے بھیجے گئے۔ اس صدی میں اللہ تعالیٰ نے قلندر بابا اولیاءؒ کو پیدا کیا اور ان کو ایسی تعلیمات کا پرچار کرنے کا شعبہ عطا کیا جن میں سائنس ہو۔ روحانیت کو اس طرح بیان کیا جائے کہ سائنس کے نقطۂ نظر سے لوگ سمجھ سکیں اور لوگوں کا جو سائنسی شعور بیدار ہو گیا ہے اس شعور سے وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کریں۔

ایک شعبہ ہے تکوین (ایڈمنسٹریشن) اس کو اللہ تعالیٰ کے بندے چلاتے ہیں مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے تعلیم کے دوران مجھے بتایا کہ

"یہ کائناتی نظام اس طرح ہے کہ:

ایک کتاب المبین ہے۔

ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوح محفوظ ہیں۔

ہر لوح محفوظ پر اسّی (۸۰) ہزار حضیرے۔

ایک حضیرے میں ایک کھرب سے زیادہ مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام۔

ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔

ہر سورج کے گرد نو، بارہ یا تیرہ سیارے گردش کرتے ہیں۔

حساب لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا نظام کس طرح چل رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ نظام اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے چلا رہے ہیں۔ نظام تکوین میں فرشتے ان کے معاون ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کائناتی نظام تخلیق کیا اور اس نظام کو چلانے کے لئے انسانوں میں سے خلیفہ (نائب) بنائے۔

فرشتوں سے کہا کہ جو نظام میں نے بنایا ہے اس کو انسان چلائے گا۔ فرشتوں نے کہا۔ آپ نے انسان کو نظام کائنات چلانے کے لئے منتخب کیا ہے۔ انسان فساد کرے گا خون خرابہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفات کا علم سکھایا۔ کائنات کے تخلیقی فارمولے سکھائے اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا۔ بیان کر جو کچھ ہم نے تجھے سکھایا ہے اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی تو فرشتے دم بخود رہ گئے اور کہا۔ ”بے شک! ہم نہیں جانتے تھے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں بتایا ہے۔“

اور اس کے بعد فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی حاکیت قبول کرلی۔

اس امر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کا شرف یہ ہے کہ اسے وہ علم آتا ہے جو علم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نہیں سکھایا۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اس علم کو بھلا دیا جس سے ہمارے اسلاف واقف تھے اور اس میں تفکر کرتے تھے نتیجتاً وہ ساری دنیا کے حاکم تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم تفکر کریں تو کیسے کریں۔ اس کے لئے بھی ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنا ہو گا۔

سیدنا حضور ﷺ مکہ شریف سے کئی میل دور ایک اونچی پہاڑی پر نبوت ملنے سے قبل عبادت کے لئے جاتے تھے۔ یہ عبادت مراقبہ تھی۔ مراقبے کا مطلب ہے غور و فکر کرنا۔ اسی غور و فکر کے دوران اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ وہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا۔

”پڑھ اپنے رب کے نام سے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”میں اُمی ہوں۔“

جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ ”آپ ﷺ کا رب یہی چاہتا ہے۔“

حضور ﷺ کے توسط سے قرآن جیسی کتاب ہمیں عطا فرمائی گئی ہے۔

مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھ عاجز بندے کو مراقبے کا علم سکھایا۔ کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہم نبی کریم ﷺ کی غار حرا والی سنت پر عمل کریں۔ نماز، روزہ کے ساتھ مراقبے (Meditation) کو اپنی زندگی میں داخل کرلیں تو انشاء اللہ آپ کی نظر بھی کھل جائے گی اور ذہن وسیع ہو جائے گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے توفیق دیں کہ ہم اپنے اسلاف کے اس ورثے کو جس کی وجہ سے ہم پوری دنیا پر حکمران تھے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ توفیق دیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ہم غور و فکر کریں اور قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں اور قرآن کو سمجھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ عربی زبان سیکھیں اور مراقبہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں مراقبہ کیا ہے۔

مراقبہ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنا۔ جب غور و فکر کی عادت راسخ ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ذہن میں آنے لگتی ہیں اور ایسے بندہ کو یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ میں کتاب و سنت کے مطابق ایک ایسا نظام ترتیب دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے بچے شروع ہی سے غور و فکر کے عادی ہو جائیں۔

پروگرام یہ ہے کہ:

پہلے ایک قاعدہ لکھوں پھر ابتدائی کتاب لکھوں جیسے پہلی، دوسری، تیسری جماعت کی کتابیں ہیں تاکہ ہمارے بچے شروع ہی سے اپنے اسلاف کے ورثے سے واقف ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قرآن اتارا۔ اپنے محبوب بندے کو ہمارے درمیان نبی مکرم ﷺ بنا کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وعدہ کیا کہ ہم نے ساری کائنات تمہارے لئے مسخر کر دی ہے۔

حال یہ ہے کہ ہم غیر قوموں کی بھیک پر گزارا کر رہے ہیں، مجھے یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ذہن دیا ہے۔ مگر ہم پھر بھی غیر قوموں کے محتاج بن گئے ہیں۔ ایک مسلمان جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے جس کا ورثہ علم الاسماء ہے جس کو فرشتوں نے سجدہ کیا ہے وہ دوسری قوموں کی بھیک کھائے یہ انتہائی شرم کی بات ہے۔ اس سے نجات حاصل کرنے کا واحد طریقہ قرآن میں غور و فکر کرکے اپنے اسلاف کا ورثہ حاصل کرنا ہے۔

دعا کریں کہ جو کام ہم نے شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمادیں۔

*****

۱۹۸۸ء میں جو کچھ عظیمی صاحب نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ پروگرام اس طرح پورا ہو چکا ہے۔ مراقبہ ہالز کا قیام اندرون اور بیرون ملک ۸۰ مراقبہ ہال کام کر رہے ہیں۔

* عظیمی پبلک ہائر سیکنڈری اسکول (کراچی، لاہور، پشاور، فیصل آباد، گجرات)۔

* الحمدللہ برخیا میموریل ہسپتال کی O.P.D نے کام شروع کر دیا ہے جو کہ ۶۰ بستروں کا اسپتال ہے۔

* فری ڈسپنسری

* اسلامیات کا کورس پہلی سے آٹھویں جماعت تک مختلف اسکولوں میں باقاعدہ پڑھایا جارہا ہے۔

* بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان میں M.A کے نصاب میں عظیمی صاحب کی کتاب "احسان و تصوف" شامل ہے اور یونیورسٹی میں بحیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر لیکچر ڈیلیور کرتے ہیں۔ بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی کے سائیکولوجی ڈیپارٹمنٹ میں کتاب "مراقبہ" ریفرنس بک کی فہرست میں شامل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۲۶ اگست ۲۰۰۹ء تک یہ کام ہو چکے ہیں۔

* * * * *

پراجیکٹ بہت بڑا ہے جہاں تک ہماری انفرادی کوششوں کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں برکت دیں رسول اللہ ﷺ کی محبت، نسبت اور فیض یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔

مرکزی مراقبہ ہال کی افتتاحی تقریب جمعۃ المبارک کے دن منعقد ہوئی۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد عظیمی صاحب نے یہ اعلان کر کے حاضرین کو خوش کر دیا کہ

"دوران نماز ایک عظیمی بھائی نے یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔" یہ سن کر خواتین و حضرات کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں اور کچھ افراد کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

ہماری زمین

جب ہم اپنی زمین، چاند، سورج، کہکشانی نظام اور کائنات کی ساخت پر غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ اس قدر منظم اور مربوط نظام کو چلانے والی کوئی ہستی ضرور ہے۔ کائنات میں ممتاز مقام رکھنے والی مخلوق، انسان کی ساخت پر جب تفکر کیا جاتا ہے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ سب کچھ ایک عظیم ہستی کی زیر نگرانی ہو رہا ہے اور یہ عظیم ہستی اللہ تعالیٰ ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پیدائش کے بعد لڑکپن اور جوانی میں داخل ہو کر ہمارے اوپر بڑھاپا آجاتا ہے اور پھر ہم اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ نہیں چاہتا کہ وہ بوڑھا ہو لیکن وہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ کوئی بندہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے اوپر موت وارد ہو لیکن دنیا میں ایک بھی مثال موجود نہیں ہے کہ آدمی موت سے نجات حاصل کرلے۔

وہ لوگ جو اس عظیم ہستی اللہ تعالیٰ کا اقرار نہیں کرتے وہ زندگی کی اس شکست وریخت کا ذمہ دار نیچر (Nature) کو قرار دیتے ہیں اور جو لوگ اس مخفی طاقت کا اقرار کرتے ہیں وہ اس ہستی کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ کوئی بھگوان کہتا ہے، کوئی اس لازوال ہستی کا نام God رکھ لیتا ہے، کسی صحیفے میں اسے یزدان کے نام سے پکارا گیا ہے، ایل اور ایلیا کے ناموں سے یہ بھی ہستی متعارف ہے۔ نام کچھ بھی ہو بہر حال ہم یہ ماننے اور یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ ہمیں ایک عظیم طاقت اور لامتناہی اور لازوال ہستی سنبھالے ہوئے ہے۔ چاند، سورج، زمین آسمان اور سب پر اس کی حکمرانی ہے۔

کچھ لوگ جو اس لامتناہی طاقت کا انکار کرتے ہیں ان کے انکار میں بھی اقرار کا پہلو نمایاں ہے۔ اس لئے کہ جب تک کوئی چیز موجود نہیں ہو گی اس کا انکار زیر بحث نہیں آئے گا۔ جب کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے تو انکار اور اقرار دونوں زائد باتیں ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بندہ اپنی دانست میں غیر متعارف ہستی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو اس کا ذہن انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہ دراصل شعور کا تعطل اور کمزوری ہے اور یہ ناقص اور کمزور شعور کی دلیل ہے۔

کہکشانی نظام

موجودہ سائنس کی دنیا کہکشانی اور شمسی نظاموں سے اچھی طرح واقف ہے۔ کہکشانی اور شمسی نظاموں سے ہماری زمین کا کیا تعلق ہے اور یہ روشنی انسان، حیوانات، نباتات، جمادات پر کیا اثر کرتی ہے یہ مرحلہ بھی سائنس کے سامنے آچکا ہے لیکن ابھی تک سائنس اس بات سے پوری طرح باخبر نہیں ہے کہ شمسی نظاموں کی روشنی انسان کے اندر نباتات کے اندر جمادات کے اندر کس طرح اور کیا عمل کرتی ہے؟ اور اس کس طرح جانوروں، نباتات اور جمادات کی کیفیات میں تغیر ہوتا رہتا ہے؟

سائنس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین پر موجود ہر شئے کی بنیاد یا قیام لہر پر ہے۔ ایسی لہر جس کو روشنی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ لہر اور روشنی کیا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

God Said Light and There Was Light

اسی بات کو قرآن نے ''اللہ نورالسموات والارض'' کہہ کر بیان کیا ہے۔

یعنی لہر یا روشنی اور زمین و آسمان کی بساط نور مطلق پر قائم ہے۔ جب یہ ساری کائنات بشمول انسان حیوانات، نباتات، جمادات روشنیوں اور لہروں پر قائم ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ موجودات دراصل اللہ تعالیٰ کے نور کا مظاہرہ ہے۔ اس مضمون میں انسان اور انسانی خصائل اور صفات پر روشنی ڈالنا ہمارے پیش نظر ہے۔

پانچ حواس

انسان حواس کا مجموعہ ہے۔ عام حالات میں ان حواس کو پانچ نام دیئے گئے ہیں۔

۱۔ سننا

۲۔ دیکھنا

۳۔ چکھنا

۴۔ سونگھنا

۵۔ چھونا

ان پانچ حواس سے ہر شخص واقف ہے۔ ذی فہم اور عقلمند آدمی یہ بھی سوچتے ہیں کہ حواس خمسہ یعنی پانچ حواس کس بنیاد پر رواں دواں ہیں؟

زمین پر ہر موجود شئے کی بنیاد لہر (روشنی) ہے۔ اس لہر یا روشنی کا نام مذہب نے روح رکھا ہے۔ ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ جب تک روح کسی مادی وجود میں موجود رہتی ہے اس وجود میں حرکت رہتی ہے اور جب روح مادی وجود سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو وجود بکھر کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

تمام مذاہب ہمیں اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم یہ جان لیں کہ اصل انسان کیا ہے؟ وہ کہاں سے آکر اپنے لئے جسم بناتا ہے اور پھر جب اس لباس کو اتار کر پھینک دیتا ہے تو کہاں چلا جاتا ہے؟

اس بات سے واقف ہونے کے لئے تمام مذاہب نے قواعد و ضوابط مرتب کئے ہیں اور اس کو بہت آسان طریقہ سے بیان کیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے!

"میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہاہوں میں وہی پیغام لے کر آیاہوں جو مجھ سے پہلے میرے بھائی پیغمبروں کے ذریعہ نشر ہوچکا ہے۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو انسان سے متعارف کرنے کے لئے بہت اہم اور نہایت مختصر فارمولے بیان فرمائے ہیں تاکہ نوع انسانی خود آگہی حاصل کرکے اصل انسان سے متعارف ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے۔"

(سورۃ السجدہ۔ آیت ۹)

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا:

"یہ لوگ آپ ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۸۵)

امر کی تعریف سورہ یٰسین کی آخری آیات میں بیان کی گئی ہے۔

اس کا امر یہ ہے کہ

"جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو" تو وہ ہوجاتی ہے۔"

(سورۃ یٰس۔ آیت ۸۲)

آدمی جسمانی اعتبار سے ناقابل تذکرہ شئے تھا۔ اس کے اندر روح ڈال دی گئی اور اسے حواس مل گئے۔ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے اور اللہ تعالیٰ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے "ہو" اور وہ ہوجاتی ہے۔

انسانی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ دیکھ کر افسوس اور دکھ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ انسان ہمیشہ مضطرب، بدحال، غمگین، خوفزدہ اور پریشان رہا ہے۔

ڈر، خوف اور عدم تحفظ اس زمانے میں بہت زیادہ اور کبھی کم ہوتا ہے۔ لیکن رہتا ضرور ہے۔ جیسے جیسے انسان کی دلچسپیاں مادی وجود میں زیادہ ہوتی ہیں اسی مناسبت سے وہ اصل انسان اور روشنیوں سے دور ہوجاتا ہے۔ اصل انسان اور روشنیوں کے انسان سے دوری کا نام ہی اضطراب، بے چینی، درماندگی اور پریشانی ہے۔ آج کے دور میں جس قدر عدم تحفظ کا احساس اور ذہنی کشمکش، اعصابی تناؤ اور بے یقینی بڑھ گئی ہے اس کا اندازہ ہر شخص کو ہے اس سے محفوظ رہنے اور پرسکون زندگی گزارنے کا طریقہ اگر کوئی

ہے تو یہ ہے کہ آدمی اصل انسان سے تعارف حاصل کرے۔ جب ہم اصل انسان سے متعارف ہو جائیں گے تو ہم لہروں، روشنیوں کی پر مسرت ٹھنڈ میں خود کو محفوظ دیکھیں گے۔

قانون

ہر وہ آدمی جس میں عقل کارفرما ہے یہ جانتا ہے کہ کائنات اور ہماری دنیا ایک قاعدہ، ضابطہ اور قانون کے تحت قائم ہے اور یہ قانون اور ضابطہ ایسا مضبوط اور مستحکم ہے کہ کائنات میں موجود کوئی شئے اس ضابطہ اور قاعدہ سے ایک انچ کے ہزارویں حصہ میں بھی اپنا رشتہ منقطع نہیں کر سکتی۔

زمین اپنی مخصوص رفتار سے محوری اور طولانی گردش کر رہی ہے اپنے مدار پر حرکت کرنے کے لئے ایک رفتار مقرر ہے اس میں کبھی ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا۔ پانی کا بہنا، بخارات بن کر اڑنا، پانی کے شدید ٹکراؤ سے اس کے مالیکیول کا ٹوٹنا اور بجلی کا پیدا ہونا، بجلی کا ماحول کو منور کرنا، حرارت کا وجود میں آنا اور ہر شئے کا دوسری شئے پر کسی نہ کسی صورت میں اثر انداز ہونا یہ سب ایک مقررہ قاعدہ اور قانون کے تحت ہے۔

جب ہم خالق کائنات کے ارشاد کے مطابق اپنی زمین کے ماحول پر تفکر کرتے ہیں تو ہم اس بات سے واقف ہو جاتے ہیں کہ جمادات، نباتات اور حیوانات کی پیدائش بڑھنا، پھیلنا، نشوونما پا کر بارآور ہونا سب ایک قانون اور ضابطہ کے مطابق ہے۔ اسی قانون اور ضابطہ کے مطابق سب پیدا ہوتے ہیں۔ گھٹتے ہیں، بڑھتے ہیں۔ جیتے اور مرتے ہیں۔ یہی قانون انسان پر بھی عائد ہوتا ہے انسان کی پیدائش بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ایک مخفی طاقت (قدرت) ہے جو سرگرم عمل ہے۔

اس قانون کے مطابق پیدائش عمل میں آتی ہے اور اس ہی نوعی قانون کے مطابق زندگی قائم رہتی ہے۔

قدرِ مشترک

روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر نوع جذبات و احساسات میں نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے متعارف ہے بلکہ زندگی کو قائم رکھنے والے قاعدے بھی یکساں ہیں اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کا طریقہ بھی یکساں ہے مثلاً ایک عمل ہے پیاس لگنا۔ نوعی اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تقاضہ سب میں موجود ہے اور سب اس تقاضے کو پانی پی کر پورا کرتے ہیں۔

جمادات، حیوانات، نباتات سب کو پانی کی ضرورت ہے یعنی پیاس کا تقاضہ پورا کرنے میں مخلوق قدر مشترک رکھتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی پانی سے پیاس کا تقاضہ پورا کرے، درخت، حشرات الارض اور حیوانات پانی کے بجائے آگ کی تپش سے پانی پیاس

بجھاتے ہوں۔ یہاں شعور بھی زیر بحث آجاتا ہے کہ انسان بذات خود یہ کہتا ہے کہ میں بہت زیادہ عقلمند ہوں۔ اشرف المخلوقات ہوں اور جب ہم انسان کا دوسری نوع کے جذبات واحساسات، کیفیات، واردات کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ مخلوق ایک ہی صف میں کھڑی ہے۔

نسل کشی کے لئے اگر آدمی کے اندر جنس موجود ہے تو یہی جنس جانوروں میں بھی نظر آتی ہے۔ ماں کی محبت نوع انسانی کے اندر موجود ہے تو یہ شفقت بلی، کتے، بکری، چوہے ہر نوع کے اندر موجود ہے۔

قانون

ہر نوع کے افراد پانی کو پانی سمجھتے ہیں۔ پانی کو پانی سمجھنے کے لئے ضروری نہیں کہ پانی کو چھوا جائے پانی کو صرف دیکھنا اس بات کی ضمانت ہے کہ پانی ہے حالانکہ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ پانی کی نمی نے ہمارے دماغ کو بھگویا نہیں لیکن ہم پانی کو دیکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ پانی ہے۔

جس طرح آدمی پانی کو پانی سمجھتا ہے اسی طرح ایک بکری بھی پانی کو پانی ہی سمجھتی ہے۔ بیان یہ کرنا مقصود ہے کہ یہ ساری کائنات ایک قانون اور ضابطہ کی پابند ہے جب یہ طے ہو گیا کہ ''قانون'' جاری و ساری اور نافذ ہے۔ جب یہ کائنات چل رہی ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قانون کو چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے اور یہ اصل ہستی وہ عظیم و بابرکت ذات ہے جس کو نہ صرف انسان بلکہ ہر مخلوق اپنا خالق کہتی ہے۔ اس عظیم و برتر ہستی نے کائنات کو قائم رکھنے کے لئے اور کائنات میں نئے نئے شگوفے کھلانے کے لئے جو ضابطہ بنا دیا ہے وہ ضابطہ اپنی جگہ اٹل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو مخلوق جس کام کے لئے بنا دی گئی ہے وہ اس پر عمل پیرا ہے۔

مثلاً آنکھ دیکھتی ہے، ناک سونگھتی ہے اور کان سنتے ہیں۔ ہم کانوں سے دیکھتے نہیں ہیں۔ آنکھوں سے سنتے نہیں ہیں۔ یہ قانون ہے جس کی بندش میں بڑے بڑے ستارے، سیارے، زمین، آسمان اور آسمانی مخلوق اور تمام مخلوق ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہے سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہیں اور ان کی ہر جنبش اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت ہوتی ہے۔

خالق کائنات کا بنایا ہوا یہی قانون ہمیں اس راز سے آشنا کرتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام نوعوں میں ایک نوع ایسی ہے جس کو خالق کائنات نے اس قانون سے باخبر کر دیا ہے۔ اس قانون سے باخبر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کائنات پر غور و فکر کرے۔ قدرت کی تفویض کردہ ڈیوٹی پوری کرے۔

اس غور و تفکر کے نتیجے میں انسان کے اوپر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ گوشت پوست کا جسم اصل انسان نہیں بلکہ اصل انسان کا لباس ہے۔ جب یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ فی الواقعہ گوشت پوست کا جسم اصل انسان نہیں ہے تو اس کے اندر فکر سلیم متحرک ہو جاتی ہے اور انسان اس بات کی تلاش میں مصروف ہو جاتا ہے کہ اپنی اصل سے واقف ہو جائے۔

اصل سے واقف ہونے کے لئے قانون اور ضابطہ مقرر ہے اور یہ قوانین اور ضابطے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمیں منتقل ہوئے ہیں۔ پیغمبران کرامؑ نے ہمیں اس بات کا شعور عطا کیا ہے کہ ہم اپنی عقل و فکر کو استعمال کریں۔ اور اپنے آپ کو حیوانات سے ممتاز کریں۔

یہ بات محل نظر ہے کہ غار حرا کی زندگی سے بیشتر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل نہیں ہوا تھا، نہ نماز اور روزہ فرض کیا گیا تھا۔ غار حرا کی زندگی ہمیں اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ ہم اپنے پیغمبر علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر ایسے طریقے اختیار کریں جس سے ہمارے اندر یہ بات مشاہدہ بن جائے کہ انسان کی صلاحیتیں محدود نہیں ہیں۔ اور انسان اگر چاہے تو زمان و مکان کی گرفت سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں قرآن پاک میں تفکر کرنا ہو گا اور قرآن پاک کے معنی اور مفہوم پر توجہ دینا ہو گی۔ اور سیدنا حضور ﷺ کی غار حرا والی سنت پر عمل کرنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

"اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا پس کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟"
(سوۃ القمر۔ آیت ۴۰، ۳۲، ۲۲، ۱۷)

پچاس سال

میری زندگی کے پچاس سال روحانیت کے ارد گرد گھومتے رہے ہیں۔ پچاس سال سے ایک ہی بات کہہ رہا ہوں۔ ایک ہی موضوع پر آپ سے گفتگو ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں اتنا کچھ کہہ دیا گیا ہے کہ جب میں کچھ بولنا چاہتا ہوں تو ذہن پر وہ نقوش ابھر آتے ہیں جو آپ کے گوش گزار کئے جا چکے ہیں۔

کسی موضوع یا عنوان پر لکھنا چاہتا ہوں تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ سب لکھا جا چکا ہے۔ یہی حال تقریر کا ہے۔ (ملکی اور غیر ملکی دوروں میں اب تک ہزاروں تقاریر کر چکے ہیں) اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ اس عاجز بندے نے مختلف طریقوں سے روحانی علوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں مشکور ہوں کہ آپ نے پذیرائی بخشی۔ میں اس بات سے واقف ہوں جب تجربہ اور مشاہدہ زندگی بنتا ہے تو شاگردوں کی توقعات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

زندگی کا فلسفہ

عزیزانِ گرامی!

ہر آدمی چاہتا ہے کہ وہ خوش رہے۔ صحت مند رہے، اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ہر دوسرا آدمی تلقین کرتا ہے کہ خوش رہا کرو۔ آدمی کوئی چیز ساتھ نہیں لے جاتا۔ آدمی کپڑے پہنے ہوئے پیدا نہیں ہوتا، مرتا ہے تو کپڑے قینچی سے کاٹ دیئے جاتے ہیں۔

زندگی کا فلسفہ یہ ہے کہ آدمی پیدا ہوتا ہے تو اپنے ساتھ کچھ نہیں لاتا اور مرتا ہے تو اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا۔ زندگی میں کوئی اختیار نہیں لیکن ہر آدمی خود کو با اختیار سمجھتا ہے، اختیار نہیں ہے تو خوش کیسے رہے گا۔ اختیار ہے تو ناخوش کیوں ہوتا ہے؟ جو کہتا ہے کہ خوش رہا کرو وہ بھی غمگین نظر آتا ہے اور جو غمگین ہوتا ہے وہ بھی خوش ہونے پر مجبور ہے۔

دنیا میں کوئی عمل دو رخوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ آدمی خوش رہے گا تو ناخوش بھی ہو گا۔ ناخوش ہو گا تو خوش بھی رہے گا۔ یہ سب الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ لفظوں کا گورکھ دھندہ ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ آدمی خوش رہنے سے واقف ہے اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ غم کیا ہے؟

اسے پانی کی ضرورت ہے پانی ہر جگہ موجود ہے۔ سردی گرمی سے بچنے کے لئے بنیادی ضرورت مکان ہے۔ مکان بنانے کے لئے زمین پہلے سے موجود ہے۔ زمین نہ ہو تو مکانات تعمیر نہیں ہوں گے۔

زندگی کے لئے بنیادی ضروریات آدمی کی پیدائش سے پہلے اور آدمی کے مرنے کے بعد موجود رہتی ہیں۔ جو چیزیں پہلے سے موجود ہیں وہ مرنے کے بعد بھی موجود رہیں گی۔ ان کے لئے ناخوش ہونا اپنے اوپر ظلم ہے اور ظلم ہی ناخوشی ہے۔ زندگی میں کام آنے والی بنیادی چیزیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فراہم کر دی ہیں کہ انسان کو ملتی رہتی ہیں۔

عزیز دوستو!

غور کیجئے اللہ تعالیٰ زمین نہ بناتے، گیہوں کا دانہ تخلیق نہ ہوتا۔ چاول بیج نہ بنتا۔ دھوپ نہ نکلتی تو غذائی ضروریات پوری نہ ہوتیں؟

انسانی مشین

اللہ تعالیٰ چوپائے اور پرندے پیدا نہ کرتے تو گوشت کہاں سے ملتا؟ ہم دودھ کہاں سے پیتے؟

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر کی مشینری پر تفکر کرے۔ انسانی مشین چلانے میں آدمی کا ذاتی اختیار کیا ہے؟

اقتدار کی خواہش انسان کے اندر اس وقت ہوتی ہے جب اس کے اندر مشین چلتی رہے۔ دل دھڑکتا رہے۔ آنتیں حرکت کرتی رہیں۔ گردے ڈائیلاسس کرتے رہیں۔ دماغ سگنل وصول کرتا رہے۔ سیلز (Cells) اعصاب کو متحرک رکھیں۔ آنکھ دیکھتی رہے۔ ڈیلے حرکت کرتے رہیں۔ پلک جھپکتی رہے، دماغ پر عکس منعکس ہوتا رہے۔ دماغ اطلاعات قبول کرتا رہے اور انسان کے اندر بصیرت ہو، عقل ہو لیکن اگر آنکھ نہ ہو تو آدمی دیکھ نہیں سکتا۔ دل نہ ہو تو حرکت معدوم ہو جائے گی۔

انسان کا زمین پر آنا ابھی موقوف نہیں ہوا۔ عالم ارواح سے چلنے والے قافلے کو سفر طے کرنا ہے۔ دنیا سے گزرنا ہے۔

وسائل کی قدر و قیمت اگر اس حد تک ہو کہ وسائل استعمال کے لئے بنائے گئے ہیں تو آدمی خوش رہتا ہے اور جب کوئی انسان وسائل کی قیمت اتنی لگا دیتا ہے کہ اس کی اپنی قیمت کم ہو جائے تو آدمی ناخوش ہو جاتا ہے۔ انسان دنیا والوں سے توقعات قائم کر لیتا ہے تو اس کے اوپر خوشی اور غم اس لئے مسلط ہو جاتے ہیں کہ جس سے توقعات قائم کی گئی ہیں وہ خود محتاج ہے۔

راضی برضا

امام ابو حنیفہؒ کپڑے کے بڑے سوداگر تھے۔ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری نے کہا۔ ”سمندر میں جہاز ڈوب گیا ہے اور کروڑوں کا نقصان ہو گیا ہے۔“

امام ابو حنیفہؒ چند سیکنڈ خاموش رہے اور کہا۔ ”یا اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے۔“

کچھ عرصہ بعد خبر آئی جو جہاز ڈوبا تھا وہ امام اعظم کا نہیں بلکہ دوسرے سوداگر کا تھا۔ امام اعظم کا جہاز ساحل پر لگ گیا ہے اور بہت نفع ہوا ہے۔ سیکرٹری نے خوشی خوشی اطلاع دی۔

امام اعظم نے کہا۔ ”یا اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے۔“

سیکرٹری نے پوچھا۔ ”جہاز ڈوبنے کی خبر پر شکر کرنے کا کیا مطلب ہے؟“

امام اعظم نے فرمایا۔ ”میں نے دونوں دفعہ دل میں دیکھا۔ معلوم ہوا کہ دل پر خوشی یا ناخوشی کا اثر نہیں ہوا۔

دل نے کہا اللہ تعالیٰ کا مال تھا۔

دوسری مرتبہ بھی دل نے کہا اللہ تعالیٰ کا مال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نقصان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نفع ہو گیا۔ میں نے اس بات پر شکر کیا کہ دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے، لینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ راضی برضا ہوں اس لئے دونوں مرتبہ میں نے شکر ادا کیا ہے۔“

یہ کیسی نادانی ہے کہ ۶۰ سال کا آدمی ۶۱ ویں سال میں داخل ہونے کے لئے پریشان ہے لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ پیدائش کے پہلے دن سے ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ نے ہر طرح میری کفالت کی ہے۔ میں بھوکا نہیں سویا۔ ننگا نہیں رہا۔ ایک تھا ایک سے دو ہوا۔ دو سے آٹھ ہوئے۔ بچوں کی شادیاں کیں، بچوں کے بچے ہوئے، بچوں کے بچوں کی تقریبات کیں۔

انسان اپنی مرضی پر کبھی غور نہیں کرتا کہ میں پیدا ہوا میری پرورش ہوئی، بچے ہوئے بچوں کے بچے ہوئے۔ پیدا ہوا تو میرے پاس جھونپڑی نہیں تھی اور میں اب ساٹھ سال کا ہوں۔ میرے تمام بچوں کے پاس زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں موجود ہیں۔ یہ خیال کیوں نہیں آتا؟

اس لئے نہیں آتا کہ آدمی ذات کے خول میں بند ہے انسان مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے لیکن گزرے ہوئے زمانے کو یاد نہیں کرتا۔ روحانی نقطہ نظر سے زندگی انسان کی ہو، زندگی سیاروں کی ہو، سورج یا چاند کی ہو یا درخت کی ہو یا کسی اور مخلوق کی ہو۔۔۔ماضی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

زمانے کو بُرا نہ کہو، زمانہ اللہ تعالیٰ ہے (حدیث)

سیدنا حضور ﷺ کا ارشاد عالی مقام ہے!

"زمانے کو برا نہ کہو، زمانہ اللہ تعالیٰ ہے۔"

یعنی پوری کائنات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم رشتہ ہے۔ وہی خالق و مالک ہے۔ وہ رازق ہے۔ ہر شئے کے لئے وسائل فراہم کرنا اس نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ زندگی حال ہے مستقبل ہے یا ماضی؟

ہمیں بچشم تفکر، حال اور مستقبل کا وجود نظر نہیں آتا۔

ہر لمحہ ریکارڈ ہو رہا ہے اور ریکارڈ ہو جانا ماضی ہے۔۔۔ماضی۔۔۔حال اور مستقبل تقسیم کا عمل ہے۔ حال ماضی بن رہا ہے اور مستقبل ماضی میں دفن ہو رہا ہے۔ انسان سوچتا ہے کل کیا ہو گا؟ لیکن کل کا وجود ہے کہاں؟

انسان آنے والے کل کو کل کہتا ہے یہ نہیں دیکھتا کہ غروب آفتاب کے بعد کل ماضی بن جاتا ہے۔

یہ ساری کائنات حرکت ہے۔۔۔ حرکت ازل سے جاری ہے۔ حرکت اگر نہیں رہے گی تو کائنات تھم جائے گی۔ انسان کائنات پر حاکم ہے۔ کائنات پر حاکمیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات کے تحت کائنات اور کائنات میں موجود ہر شئے انسان کی محکوم اور رعایا ہے۔

جب کوئی بندہ حاکمیت کے اختیارات سے واقف ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے غم اور خوف نکل جاتا ہے۔

حرکت کے علوم سے واقف بندہ پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ہم جس کو حال اور مستقبل کہتے ہیں وہ ماضی کے نقوش ہیں۔

مثال

ہم تیس ۳۰سال کے لئے پروگرام بناتے ہیں اور اس پروگرام پر عمل کرنے کے لئے ہم تیس سالوں کو پانچ پر تقسیم کر دیں تو اس کا مطلب ہو گا کہ تیس سال پہلے (ماضی میں) جو پروگرام بنا ہے چھ وقفوں میں اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر پروگرام ۳۰سال کے لئے ترتیب دیا جاتا ہے۔

"پروگرام کے مطابق، جو بھی کوشش اور جدوجہد کی جاتی ہے وہ ماضی کے نقوش میں رنگ آمیزی ہے۔"

جب کوئی قوم ماضی سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے اور اسلاف کے نقوش قدم پر عمل پیرا ہو کر اپنی حالت سنوارنے کے لئے عملی اقدام نہیں کرتی۔ کوشش، حرکت، عمل اس کی زندگی سے نکل جاتے ہیں تو ایسی قومیں زمین سے نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ جو قومیں ماضی سے اپنا رشتہ مستحکم رکھتی ہیں اور اسلاف کے کارناموں کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر عمل کرتی ہیں وہ عروج و ترقی کے محلات تعمیر کرتی ہیں۔

اگر انسان فی الواقع کوش رہنا چاہتا ہے تو وہ روزانہ ماضی کو یاد کرے اور حساب لگائے کہ اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سالہ زندگی میں کتنی نعمتیں عطا کی ہیں۔ انسان اپنے جیسے انسانوں سے توقعات توڑ کر اللہ تعالیٰ سے توقعات قائم کر کے جدوجہد کرے تو وہ محدودیت سے نکل جاتا ہے۔ وہ ایسے لامحدود دائرے میں داخل ہو جاتا ہے جہاں خوف اور غم نہیں ہے۔

خوشی ایک فطری عمل ہے جبکہ ناخوش ہونا اور غمگین ہونا غیر فطری عمل ہے۔ ناخوش انسان خود اپنے حال سے دور ہو جاتا ہے جبکہ خوش رہنے والا انسان اپنی ذات میں انجمن ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے!

"اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔" (سورۃ یونس۔ آیت ۶۳)

سائنس اور روحانیت

سائنسدان جو سوچتے ہیں انہیں اپنی سوچ کا جواب ملتا ہے لیکن سائنسدان سوچ میں وہی معنی پہناتے ہیں جو پہلے سے ان کا علم ہے۔ اس علم میں قبولیت ہوتی ہے یا تردید ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر عالم اپنے علم اور اپنے ماحول میں رائج اعتقادات کے دائرے میں کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے۔

قرآن پاک کی تعلیمات اور سائنس میں بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن پاک ماورائی دنیا سے باہر کی ہر شئے کو فکشن یا مفروضہ قرار دیتا ہے اور حقیقت بینی کے لئے اندر دیکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔

فلکیات کے ماہر جب ستاروں کی بات کرتے ہیں تو ستارے اور آدم کا رشتہ اس طرح جوڑتے ہیں کہ فلاں ستارہ سعید ہے اور فلاں ستارہ نحس ہے۔

آدمی ستارے کی ساڑھ ستی میں آجائے تو حالات خراب ہو جاتے ہیں۔ ساڑھ ستی سے نکل آئے تو حالات اچھے ہو جاتے ہیں۔ قرآن کا اس سلسلے میں اپنا ایک فیصلہ ہے!

”اور مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ سماوات میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔“ (سورۃ الجاثیہ۔ آیت ۱۳)

لیکن جب ہم ستاروں سے متعلق دنیا میں رائج انسانی علوم پر نظر ڈالتے ہیں تو لگتا ہے کہ ہم ستاروں کے محکوم اور ستارے ہم پر حاکم ہیں۔ ہم رات اور دن کے وقفوں کو الگ الگ یونٹ قرار دیتے ہیں۔

جبکہ قرآن کہتا ہے کہ

”کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے سب ایک وقت مقرر تک چلے جا رہے ہیں اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“ (سورۃ لقمان۔ آیت ۲۹)

سائنسدان مادی زندگی کو اصل قرار دیتے ہیں لیکن مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ ہم رات کو خواب میں جنسی تلذذ حاصل کرتے ہیں۔ صبح بیدار ہونے پر اسی طرح ناپاک ہوتے ہیں جس طرح بیداری میں جنسی عمل کے بعد ہمارے اوپر غسل واجب ہوتا

ہے۔

آج کا بچہ چند منٹ کے بعد ماضی میں چلا جاتا ہے لیکن گزرے ہوئے چند منٹ نے حال اور مستقبل دونوں سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ ہم نے زندگی کو حال، ماضی اور مستقبل پر تقسیم کیا ہوا ہے۔ لیکن ادراک کو کام میں لایا جائے تو عالم رنگ و بو ماضی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ آج میں اگر 82 سال (تاریخ پیدائش 17-10-1927، خواجہ شمس الدین عظیمی) کا بوڑھا ہوں تو دراصل یہ 82 سال میرا ماضی ہے۔

قرآن کے مطابق ہماری دنیا، سماوات، ارض، عالمین، ستارے، سیارے، کہکشانی نظام، عرش و کرسی اور ہم سب ماضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کھربوں سال پہلے (ماضی میں) کائنات کو تخلیق کیا۔ فی الوقت کھربوں سال پہلے بنی ہوئی کائنات اپنا مظاہرہ کر رہی ہے۔

مادی دنیا اور ماورائی دنیا

جب ہم مادہ (Matter) کے اوپر تفکر کرتے ہیں تو مادہ (Matter) صرف عارضی اور فکشن (Fiction) نظر آتا ہے۔ ساڑھے پانچ فٹ لحیم و شحیم پہلوان چل رہا ہے۔ کُشتی لڑ رہا ہے جس طاقت نے اس لحیم و شحیم پہلوان کو اٹھایا ہوا ہے وہ مادہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب اصل حرکت (روح) جسم سے تشتہ منقطع کر لیتی ہے۔ لحیم و شحیم جسم بے جان اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ہمارے سامنے ایسی کوئی صورت نہیں ہے کہ جسم کو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا جائے۔ سائنس بتاتی ہے کہ آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور دماغ سے سوچتا ہے۔۔۔کیا یہ بات ہم سب کا مشاہدہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے اندر دماغ، آنکھ، موجود ہوتے ہیں لیکن آنکھ باہر کا دیکھا ہوا عکس نہ تو قبول کرتی ہے اور نہ ہی دماغ اس میں معنی پہناتا ہے۔ ان گزارشات کے ساتھ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ سائنسدان جو کہتے ہیں۔ وہ ان کی ذاتی رائے کے مطابق کتنا بھی صحیح ہو لیکن مادہ(Matter) کی دنیا اور ماورائی دنیا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

چاند گاڑی

آپ چاند گاڑی کو چاند پر اترتا دیکھ چکے ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ سب فکشن میں چلا جائے گا۔

ایک کانفرنس میں جب میں نے چاند، زمین، آسمان اور اس کی حقیقت پر مقالہ پڑھا جس میں ناسا(NASA) کی خلائی ٹیم کے ایک اہم رکن اوٹو بائینڈر کے مطابق اپالو گیارہ کے خلاء بازوں اور زمینی کنٹرول مشن کے درمیان بات چیت ہوئی تھی۔ مشن کنٹرول کیا بات ہے۔۔۔کیا کوئی خرابی پیش آئی ہے۔ ہیلو۔ مشن کنٹرول کالنگ اپالو الیون۔۔۔اپالو گیارہ یہ مخلوق بڑی جسیم تھی سر۔۔۔اوہ گاڈ۔۔۔آپ اس بات پر یقین نہیں کریں گے۔۔۔میں تمہیں بتا رہا ہوں۔۔۔کہ گڑھے کی دوسری طرف وہ قطار در قطار کھڑے ہیں۔ وہ جسیم مخلوق موجود ہے اور ہمیں دیکھا جا رہا ہے۔

ناسا نے کبھی اس گفتگو کو رسمی طور پر بھی قبول نہیں کیا۔ بہت سارے لوگوں نے جن کے پاس UHF ریسور تھے۔ اس گفتگو کو سن لیا تھا اور وہ حیران تھے کہ آخر کس مصلحت کی بناء پر ناسا والوں نے اس پر دبیز پردہ ڈال دیا ہے۔

میں بتانا یہ چاہ رہا تھا کہ سائنسدان جب یہ کہتے ہیں کہ چاند پر آبادی نہیں ہے تو خلائی ٹیم نے وہاں کون سی جسیم مخلوق دیکھی تھی؟ کانفرنس میں مجھے اس لئے نہیں سنا گیا کہ میں ایک غلام قوم کا فرد ہوں۔

تین ارب سال

خودمادہ(Matter)اورمادہ کی ہر شکل اور مادہ کی عینک سے دیکھی جانے والی ہر شئے فکشن ہے۔ آپ نے ایک سائنسدان جیمس کے نظریہ کے بارے میں مجھ سے حقائق معلوم کئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ تین ارب سال کا تعین کس طرح ہوا۔ قرآن کہتا ہے کہ سماوات اور زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ چھ دن میں بنایا گیا ہے۔

”وہی ہے جس نے تخلیق کیا سماوات کو اور زمین کو جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں۔“(سورۃ السجدہ۔ آیت ۴)

سوال یہ ہے کہ ہماری دنیا میں سات دن کا وجود کیا معنی رکھتا ہے؟

ہم دن کی پیمائش 12 یا 13 گھنٹے کرتے ہیں اور قرآن اعلان کرتا ہے:

”ہر کام آسمان سے زمین پر اترتا ہے پھر وہی کام اس طرف صعود کر جاتا ہے ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے!“(سورۃ السجدہ۔ آیت ۵)

اس کا کیا مطلب ہے؟

میرے عزیز!

قرآن نے دعویٰ کیا ہے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور ہر بڑی سے بڑی بات کی قرآن نے وضاحت کر دی ہے۔

سائنسدان جو کہتے ہیں ان کی علمی برتری اور دماغی عروج کی دلیل ہے لیکن سائنس کی ہر بات کو آنکھیں بند کر کے اس لئے تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ سائنس اپنی تخلیقات کی نفی بھی کرتی رہتی ہے۔۔۔اور تھوڑے عرصے کے بعد پوری تھیوری بدل جاتی ہے جبکہ قرآنی سائنس ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی اور نہ اس میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوتا ہے۔

”تخلیقی فارمولوں میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل ہوتا ہے۔“

کائناتی نظام

(ADMINISTRATION)

قصہ ایک جلیل القدر پیغمبر اور ایک بندے کا جس کو قرآن پاک نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس قصہ میں شریعت اور تکوین کے اسرار پنہاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو تفکر سے کام لیتے ہیں۔

تخلیق کا قانون

انسان بحیثیت آدم اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے اور بحیثیت نائب اور خلیفہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی روح کام کر رہی ہے، روح امر رب ہے اور امر رب کائنات کی تخلیق میں عمل کرنے والا قانون ہے، یا اللہ تعالیٰ کے وہ اختیارات ہیں جن سے کائنات تخلیق کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کو تخلیقی اختیارات تفویض کر دیئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ احسن الخالقین ہے، آدم اپنے تخلیقی اختیارات کا استعمال صرف ان ہی اشیاء میں کر سکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت تخلیق ہو چکی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ ہر لمحہ اور ہر آن نئی تخلیق وجود میں لے آئیں۔

تکوین

آدم کی نیابت و خلافت کی نشان دہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں کی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے اجتماع میں تقریر کر رہے تھے کہ کسی شخص نے سوال کیا۔

”اے اللہ تعالیٰ کے رسول اس زمانے میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”مجھے اس سرزمین پر سب سے زیادہ علم دیا گیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تمہارا منصب یہ تھا کہ تم اس سوال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے جو علم میں تجھ سے زیادہ دانا و بینا ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔

"پروردگار عالم! تیرے اس بندے تک رسائی کا کیا طریقہ ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"مچھلی کو اپنے توشہ دان میں رکھ لے جس مقام پر وہ غائب ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام مچھلی کو توشہ دان میں رکھ کر اپنے خلیفہ یوشع بن نون کے ساتھ اس بندے کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر سر رکھ کر آرام فرمانے لگے۔ قدرت خدا سے مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی، مچھلی پانی میں جس جگہ تیرتی ہوئی گئی اور جہاں تک گئی وہاں پانی نے برف کی طرح منجمد ہو کر ایک پگڈنڈی کی شکل اختیار کر لی۔

یہ واقعہ یوشع نے دیکھ لیا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے، بیدار ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی یوشع بن نون نے پھر سفر شروع کر دیا۔

دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تکان محسوس کی اور فرمایا:

"اے یوشع! مچھلی لے آ تا کہ کچھ کھا پی کر تکان دور کر لی جائے۔"

یوشع نے کہا:

"یا کلیم اللہ! میں یہ بات آپ کو بتانا بھول گیا کہ جس وقت آپ سو رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مچھلی میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ سمندر میں چلی گئی اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی رہی سمندر میں راستہ بنتا رہا۔"

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا تھا کہ ''میں اپنا سفر ختم نہ کروں گا جب تک دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ میں ایک زمانۂ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔ پس جب وہ ان کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی سے غافل ہو گئے اور وہ نکل کر اس طرح دریا میں چلی گئی جیسے کہ کوئی سرنگ بن گئی ہو۔''

آگے جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا۔

''لاؤ ہمارا ناشتہ، آج کے سفر میں ہم تھک گئے ہیں۔''

خادم نے عرض کیا۔

''آپ نے دیکھا یہ کیا ہوا؟ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اس وقت مچھلی کا خیال نہ رہا اور شیطان نے مجھ کو ایسا غافل کر دیا کہ میں اس کا ذکر (آپ سے کرنا) بھول گیا۔ مچھلی عجیب طریقے سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔''اسی جگہ کی ہمیں تلاش تھی۔''

چنانچہ وہ دونوں واپس ہوئے۔

''اور وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔''(سورۃ الکہف۔ آیت ۶۰ تا ۶۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بندہ سے فرمایا کہ

اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ رہ کر وہ علم سیکھوں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔

اس بندہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے اور ٹھہر بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ اس علم کا سمجھنا آپ کی فہم سے باہر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے اور میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گا۔ اس بندے نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو کسی بات کے بارے میں مجھ سے اس وقت تک سوال نہ کریں جب تک کہ میں خود آپ کو نہ بتا دوں، اس عہد وپیمان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی علم عطا فرمایا تھا دونوں چل پڑے یہاں تک کہ دونوں ایک کشتی میں سوار ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے بندے نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

آپ نے کس قدر عجیب اور انوکھی بات کی ہے کہ کشتی میں سوراخ کر دیا تا کہ اس میں بیٹھے ہوئے لوگ ڈوب جائیں۔
اس بندے نے کہا۔ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، میری بھول پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں سخت گیری سے کام نہ لیجئے۔
اس بندے نے درگزر کر دیا اور پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ ملاقات ہوئی ایک لڑکے سے جس کو اس بندہ خدا نے مار ڈالا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اور فرمایا!

یہ آپ نے کس قدر نامعقول بات کی ہے آپ نے قتل کر دیا ایک جان کو جس نے کوئی قتل نہیں کیا یعنی آپ نے بغیر قصاص کے ایک جان ضائع کر دی۔

اللہ تعالیٰ کے بندے نے کہا۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میری باتوں پر صبر نہیں کر سکیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا۔

اس بندے نے درگزر سے کام لیا اور دونوں چل پڑے یہاں تک کہ پہنچے ایک گاؤں میں وہاں کچھ کھانا چاہا مگر گاؤں والوں نے ان کو کھانا نہیں دیا۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے بندے نے ایک دیوار کو بنا دیا جو گر رہی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا!

اگر آپ چاہتے تو مزدوری لے سکتے تھے (یعنی ہم اس بستی میں بھوکے اور بطور مسافر داخل ہوئے مگر بستی والوں نے ہمیں نہ ٹھہرنے کو جگہ دی اور نہ ہمیں کھانا دیا۔ آپ نے اجرت لئے بغیر دیوار بنا دی۔ اگر اجرت طے کر لیتے تو کھانے پینے کا انتظام ہو جاتا۔)

اس بندے نے کہا۔

اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، ہاں جن باتوں پر آپ صبر نہیں کر سکے آپ کو ان کی حقیقت بتا دیتا ہوں۔
سب سے پہلے کشتی کا معاملہ درپیش ہوا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کشتی چند مسکینوں کی تھی اور اس کشتی پر ان کی معاش کا انحصار ہے۔ کشتی والے جس طرف بڑھ رہے تھے اطراف میں ایک بادشاہ ہے جب وہ کوئی نئی اور اچھی کشتی دیکھتا ہے تو اس پر قبضہ کر لیتا ہے، میں نے اس میں سوراخ اس لئے کر دیا کہ کشتی میں عیب دیکھ کر بادشاہ اس پر قبضہ نہ کرے۔

اور لڑکے کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے ماں باپ راست باز اور مومن ہیں، میں ڈرا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اللہ تعالیٰ سے سرکشی کر کے اپنے والدین کے لئے اذیت اور تکلیف کا سبب بنے گا۔ پس میں نے ارادہ کیا کہ پروردگار اس لڑکے سے بہتر لڑکا انہیں عطا کرے جو اللہ تعالیٰ کا پرستار اور رحم کرنے والا ہو۔

دیوار درست کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ جگہ یتیم لڑکوں کی ہے، جس کے نیچے خزانہ دفن ہے، ان بچوں کا باپ ایک مرد صالح تھا، پس پروردگار نے ارادہ کیا کہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ کر اپنا خزانہ حاصل کر لیں۔ ان لڑکوں کے حال پر اللہ تعالیٰ کی یہ مہربانی تھی جو اس طرح ظہور میں آئی۔

اے موسیٰ! یاد رکھئے، میں نے یہ سب کچھ اپنی طرف سے نہیں کیا۔ یہ راز ہے ان باتوں کا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ قرآن پاک کے بیان کردہ اس واقعہ سے عرفان نفس کی قدریں متعین ہوتی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت رسول ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

”ہم نے جو علم تم کو دیا ہے اس کے علاوہ اور بھی علم ہے جو تم کو نہیں دیا گیا۔“

غور طلب بات یہ ہے کہ بندہ نہ رسول ہے اور نہ پیغمبر، وہ علم اللہ تعالیٰ نے اپنی عطائے خاص سے اسے عنایت فرمایا ہے۔“

دو علوم۔۔۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں دو علوم کا تذکرہ ہوا ہے۔ ایک علم وہ ہے جہاں بندہ اپنے ارادہ اور اختیار سے کچھ نہیں کرتا۔ اور ایک علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا ہے۔

اس واقعہ کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذہنی استعداد اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ ہر بات کو شریعت کے دائرے میں سمجھیں اور بحیثیت رسول اس پر احتساب کریں۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ نے کس قدر عجیب اور انوکھی بات کی ہے کہ کشتی کا تختہ نکال دیا تاکہ اس میں بیٹھے ہوئے لوگ ڈوب جائیں۔ دوسرے مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ کا اظہار فرما کر ارشاد کیا۔ یہ آپ نے کیسی عجیب بات کی ہے کہ آپ نے ایک معصوم کو قتل کر دیا۔ تیسرے مرحلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ضرورت کے پیش نظر فرمایا کہ اگر اجرت طے کر لیتے تو کھانے کا بندوبست ہو جاتا۔

بندے نے ابتداء ہی میں یہ کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے اور آپ ٹھہر بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ آپ ان باتوں کی سمجھ نہیں رکھتے۔ وہ بندہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنی مرضی سے نہیں کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت کیا ہے۔

قانون

اس واقعہ سے عرفان نفس کے قانون کا انکشاف ہوتا ہے۔

ا۔ ساری کائنات مخلوق ہے، خالق کائنات نے مخلوق میں ایسے افراد تخلیق کیے ہیں جو کائناتی نظام کو چلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (آیات) میں تفکر کر کے بندہ اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ دیکھ لیتا ہے کہ کائنات میں ہر موجود شئے ایک رشتہ میں بندھی ہوئی ہے اور یہ رشتہ خالق کائنات سے مسلسل ربط میں ہے۔

رشتہ کا تسلسل اور ربط اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس رشتہ کو تلاش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قانون اور عمل کرنے کا پروگرام ضروری ہے۔

یہ قانون شریعت اور طریقت چونکہ بذات خود پروگرام ہیں اس لئے کہ انسان شریعت اور طریقت کی حدود میں رہ کر خود کو پہچان سکتا ہے۔

کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یعنی انسان خود کو پہچان کر صفت خالقیت سے متعارف ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی طرز فکر آزاد نہیں ہے وہ ہر کام محدود اور پابند طرز فکر کے تحت انجام دیتا ہے۔ بااختیار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی صفات کا عارف انسان یہ جانتا ہے کہ ہر بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۲۔ دوسری طرز فکر آزاد ہے یعنی اس طرز فکر میں کوئی انسان اپنا عرفان نفس اس طرح کرتا ہے کہ۔۔۔

میری تخلیق میں اور کائنات کی تخلیق میں کون سے فارمولے سرگرم عمل ہیں۔ اس آزاد طرز فکر میں انسان اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ خالق کائنات نے مخلوق کو کن اقدار کے تحت تخلیق کیا ہے۔ چاند سورج اور اربوں کھربوں کہکشانی نظام کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی کونسی صفت کام کر رہی ہے اور اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی کونسی مشیت ہے جس نے تخلیق کو قیام بخشا ہے اور اس مشیت میں خالق کائنات کا کونسا ارادہ فیکون ہوا ہے۔ اس مرد آزاد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص علم (علم لدنی) کے ذریعہ بتایا ہے کہ کائنات کس طرح مسخر ہے۔

ذات کا عرفان

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا ہے کہ

زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں Independent (جانبدار) زندگی گزارنا اور Dependent (غیر جانبدار) زندگی گزارنا۔

جب آپ کو اس بات کا علم ہی نہیں ہے کہ میری عمر کتنی ہے دو سال ہے۔ دس سال ہے۔ اسّی سال ہے۔ نوے سال ہے۔ سو سال ہے تو حساب کتاب کیسا؟

اللہ تعالیٰ نے جب دنیا میں بھیج دیا اور ہم آ گئے۔

بلا لیا، ہم چلے گئے۔

Independent زندگی اور Dependent زندگی یہ زندگی کے دو رخ ہیں۔ اگر آدمی Independent زندگی گزارے گا تو وہ زیادہ دنیادار ہو جائے گا۔ اللہ رسیدہ بندہ Dependent زندگی گزارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تک رسائی اور عرفان حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی روح سے واقف ہوں "من عرفہ فقد عرفہ ربہ" جس نے اپنی روح کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔

اگر اس دنیا کے بعد دوسری دنیاؤں میں داخل ہونا ہے تو روحانی استاد کی راہنمائی میں پیش قدمی کریں۔ خود کو مرشد کی ذات سے وابستہ کر دیں۔ مرشد پہ خود کو نثار کر دیں۔

روحانیت کا اصل اصول یہ ہے کہ جب تک مرید مرشد کی ذات میں فنا نہیں ہو گا۔ مرشد کی طرز فکر اس کے اندر منتقل نہیں ہو گی۔ اس لئے کہ مرشد کی طرز فکر دودھ اور گلاب کی طرح ہے۔ دودھ اور گلاب کا ذخیرہ کرنے کیلئے ظرف چاہئے۔ مرشد کی ذات ایک مخصوص Pattern ہے۔ مرید کے اندر پہلے سے ایک پیٹرن بنا ہوا ہے۔

پیالہ پہلے سے بھرا ہوا ہے۔ جس پیالہ میں کثافت گندگی، کیچڑ بھرا ہوا ہے اس میں آپ گلاب کیسے ڈال سکتے ہیں۔ بغیر منجھے ہوئے پیالے میں آپ دودھ کیسے انڈیل سکتے ہیں؟

ضروری ہے کہ پہلے پیالے کو خالی کیا جائے پھر اس پیالے کو مانجھ کر صاف کیا جائے۔ قلعی کیا جائے اور اس کے بعد اس میں دودھ یا گلاب ڈال سکتے ہیں۔

روحانی شاگرد

مرشد کریم نے فرمایا ہے۔۔۔

روحانی سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم قرآن کریم کو سمجھتا ہو اور شاگرد تزکیہ نفس کو جانتا ہو۔ روحانیت کے اوپر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ شاگرد ایسے شخص کی شاگردی اختیار کرے جو روحانی علوم پر دسترس رکھتا ہو اور منزل رسیدہ ہو۔

عرش، کرسی، حجاب عظمت، حجاب کبریا، حجاب محمود، سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کیا ہیں؟

بے شمار کہکشانی نظام کن فارمولوں پر قائم ہیں؟

بے شمار دنیائیں کہاں واقع ہیں؟

بے شمار سورج ہیں۔

چاند اتنے ہیں کہ جن کو ہم شمار نہیں کرسکتے۔

ہر سیارے میں انسان اور دوسرے مخلوق آباد ہے۔

مخلوق کہیں ٹرانسپیرنٹ ہے۔ کہیں ٹھوس مادہ سے تخلیق ہوئی ہے۔

کہیں قد کاٹھ میں بہت بڑی ہے۔

کسی سیارے پر بہت چھوٹی ہے۔

روحانیت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق اس طرح قائم ہو جائے کہ آپ کی سوچ اپنی نہ رہے۔ آپ کی سوچ اللہ تعالیٰ کی سوچ ہو جائے۔ بندہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تلاش کرے۔

ذات کی نفی

جن لوگوں کے اندر الٰہی صفات منتقل ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرز فکر ان کے اندر مستحکم ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ذات کی نفی کر دیتے ہیں۔

"وہ کہتے ہیں ہم نے اس کا مشاہدہ کر لیا ہے کہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شئے مستقل نہیں ہے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر خیال آ رہا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بھوک لگ رہی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر پیاس لگ رہی ہے تو پیاس کا تقاضا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انسان کے اندر حرکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وریدوں شریانوں میں اگر خون دور کر رہا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ اگر وریدوں میں شریانوں میں خون بہنا بند ہو جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ دنیا کی کوئی مشین، کوئی طاقت مردہ جسم کی وریدوں میں شریانوں میں خون نہیں دوڑا سکتی۔ انسان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انسان کی موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔"

انسان کو یہ علم نہیں ہے کہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں چلا جاتا ہے؟ انسان یہ بھی نہیں جانتا کہ جب وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اسے دھکیلتی ہے۔

وہ کیسے چلتا ہے، حرکت کرتا ہے، سوچتا ہے، کہاں سے سوچتا ہے؟ سوچنا کیا ہے؟ کہاں سے اسے فیڈنگ Feeding مل رہی ہے؟ کون سی برقی رو ہے جس برقی رو کی بنیاد پر وہ دوڑ رہا ہے، چل رہا ہے، سو رہا ہے، جاگ رہا ہے۔ شادی کر رہا ہے، بچے پیدا کر رہا ہے اور جب برقی رو رشتہ توڑ لیتی ہے تو وہ فنائیت کے درجہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر نہ بھوک لگتی ہے، نہ پیاس لگتی ہے، نہ اس کے اندر کوئی تقاضا ابھرتا ہے۔

کوئی انسان مرنا تو بعد کی بات ہے، مرنے کا تصور بھی پسند نہیں کرتا، کوئی انسان بیمار ہونا نہیں چاہتا۔ اگر انسان کا بس چلتا وہ کبھی لاغر نہ ہوتا۔ بوڑھا نہ ہوتا۔ کسی انسان کا بچہ مرتا اور نہ کسی انسان کی ماں کا انتقال ہوتا۔ کوئی غریب نہیں ہوتا، کوئی معذور نہیں ہوتا، کوئی نابینا نہیں ہوتا، مفلوک الحال نہیں ہوتا۔ پیدائش پر اختیار ہوتا تو ہر شخص بادشاہ کے گھر پیدا ہوتا۔

پانچ کھرب بائیس کروڑ!

ہم اپنی زندگی کا تجزیہ کریں تو حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ارشاد کے مطابق کوئی آدمی اپنی زندگی کے کسی ایک عمل میں خود مختار نہیں ہے۔ اس لئے کہ خیال آئے گا تو ہم کام کریں گے۔ وہ خیال شیطانی طرز فکر سے متعلق ہو یا رحمانی طرز فکر سے متعلق ہو۔

اس محفل میں ماشاءاللہ سب پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلسل ۳۵ سال کی جدوجہد اور کوشش سے اب ذہن اتنے کھل گئے ہیں کہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

۷۰ سال کی زندگی کا اگر حساب لگایا جائے تو گھنٹے، منٹ اور لمحات کتنے بنتے ہیں؟ وہ ایک کھرب تیس کروڑ سے زیادہ ہیں اور خیالات کی آمد تقریباً پانچ کھرب بائیس کروڑ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان نے ستر سال میں کھربوں عمل کئے۔ کھربوں فیصلے لئے۔ آپ کوئی ایک عمل ایسا بتائیں جو خیال آئے بغیر آپ نے کیا ہو۔ کوئی ایک بات بھی آپ بیان نہیں کر سکتے۔ لاریب انسان مجبور ہے۔ انسان وہی کچھ کرتا ہے جو اسے Feed کر دیا جاتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے زندگی کے دو رخ بتائے ہیں۔ ایک Independent ہونا یعنی اپنی انا کے خول میں بند ہو کر زندگی گزارنا جس میں اقتدار کی خواہش، اپنے آپ کو منوانا، ضد کرنا، بحث کرنا، فساد برپا کرنا شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہاتھ دیئے ہیں۔ ہم ہاتھ کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ خیال آتا ہے۔ خیال کے اندر ایک میکانکی حرکت ہوتی ہے۔ ہر مخلوق کے اندر ایک میکنزم (Mechanism) کام کر رہا ہے۔ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کے اندر اچھائی اور برائی کا تصور منتقل کر دیا ہے۔

اچھائی برائی کا مطلب ہے کہ اس عمل میں جو عمل آپ آسمان سے آئے ہوئے خیال کے تحت کر رہے ہیں، آپ اس میں کیا معنی پہناتے ہیں۔ ایک آدمی اصلاح احوال کے لئے کسی آدمی کے تھپڑ مارتا ہے۔ یہ خیر ہے۔ دوسرا آدمی نفرت و حقارت کے تحت تھپڑ مارتا ہے۔ یہ شر ہے۔ تھپڑ مارنے کا عمل ایک ہے لیکن فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔

زندگی حرکت ہے۔ حرکت کے ساتھ آدمی چل پھر رہا ہے، دوڑ رہا ہے، کاروبار کر رہا ہے، شادی کر رہا ہے۔ نئی نئی ایجادات کر رہا ہے لیکن ابھی تک یہ بات طے نہیں ہوئی کہ زندگی کیا ہے؟

زندگی صرف اللہ تعالیٰ کا چاہنا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے لئے آپ کے لئے زید کے لئے بکر کے لئے چاہتے ہیں کہ جسم میں حرکت رہے، ہم سب زندہ ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ ہم زندہ رہیں، ہمارے اندر کا عمل ختم ہو جاتا ہے، کتنی دنیا پیدا ہوئی اور مر گئی۔ جس قدر دنیا موجود ہے یہ بھی مر جائے گی۔ بعد میں کتنی دنیا پیدا ہو گی وہ بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی۔

زندگی کا تجزیہ

تصوف کے راستے پر چلنے والے لوگوں کے لئے عظیمی بہن بھائیوں کے لئے اور وہ لوگ جو خود شناسی کے ساتھ ساتھ خدا شناس ہونا چاہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ اپنی زندگی کا تجزیہ کریں۔ اپنے اندر تلاش کریں گے تو علم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے علاوہ یہاں کچھ نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کا چاہنا ہی زندگی ہے تو اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا روحانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود کو وابستہ کرنا اللہ تعالیٰ کا عرفان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور کرنا، اللہ تعالیٰ کے علوم سیکھنا اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف کو تلاش کرنا، اپنے اندر، زمین کے اوپر، زمین کے اندر، آسمانوں میں، کہکشانی نظاموں میں تفکر کرنا، روحانیت ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور انسان کی سماجی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں روئے زمین پر بسنے والی ہر قوم اور ہر قبیلے میں مختلف رسم ورواج نظر آتے ہیں۔ جو کسی قوم کے تشخص کا اظہار ہیں۔ رسوم ورواج کی حیثیت گو کہ ہر قوم میں جداگانہ ہے لیکن ان کی موجودگی انسانی معاشرت کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔ ان رسوم ورواج میں تہواروں کو ایک مخصوص اہمیت حاصل ہے۔ زمین پر آباد ہر قبیلہ، ہر قوم کسی نہ کسی نام سے جشن یا تہوار مناتی ہے اور یہ اس قوم کے قومی تشخص کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اس آئینے میں قومی شعار کا چہرہ صاف اور واضح نظر آتا ہے۔ قوموں میں تہوار منانے کے طریقے جداگانہ ہیں۔ بعض قومیں یہ تہوار صرف کھیل کود، راگ رنگ اور سیر و تفریح کے ذریعے مناتی ہیں۔

ان تقاریب کے پس منظر میں قوموں کو ان کے اسلاف سے جو روایات یا اخلاق منتقل ہوا ہے اس کی نمایاں طور پر منظر کشی ہوتی ہے۔ تہوار ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر کسی قوم کی تہذیب کو پرکھا جاسکتا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ قوم کی اخلاقی اور روحانی طرز فکر جتنی بلند یا پست ہوتی ہے اس کا اظہار ماحول میں رائج روایات اور طریقوں سے ہوتا ہے۔ ان روایات اور طریقوں کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ تہوار منانے میں اختیار کردہ طریقے ہوتے ہیں۔ یہ طریقے اعلیٰ مقاصد اور بنیادی اصولوں سے اخذ شدہ ہوتے ہیں جن سے اس قوم کی بقا اور قیام وابستہ ہے۔

ہر قوم اپنے ماضی پر زندہ ہے۔ اگر کسی قوم کے پاس ماضی نہیں ہے تو اس کی حیثیت قوم کی نہیں ہے۔ مسلمانوں کا بھی ایک ماضی ہے اور اس ماضی کو یاد رکھنے اور ماضی کے تاثرات کو آنے والی نسلوں میں پختہ کرنے کے لئے مسلمان دو تہوار مناتے ہیں۔ پہلا تہوار عید الفطر ہے جس کی نورانیت اور پاکیزگی اس امر پر قائم ہے کہ یہ تہوار اس وقت منایا جاتا ہے جب من حیث القوم ہر فرد اپنا تزکیۂ نفس کر کے پاک صاف اور مصفیٰ و مجلیٰ ہو جاتا ہے۔ تیس دن اور تیس رات وقت کی پابندی، غذا اور نیند میں کمی سحر و افطار میں اجتماعیت، عمل میں ہم آہنگی، ایسی یکسوئی پیدا کر دیتی ہے کہ جس یکسوئی کے ذریعے انسان اپنے نفس سے واقف ہو جاتا ہے۔ یہ واقفیت آدمی کے اندر بسنے والے انسان کو متحرک کر دیتی ہے۔

جب تزکیۂ نفس کے بعد انسان بیدار ہو جاتا ہے تو صلاحیتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ اضافہ دراصل ذہن کی رفتار ہے۔ آدمی کے اندر بسنے والے انسان کی رفتار پرواز عام آدمی نسبت ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ تیس روزے رکھنے کے بعد آدمی کے اندر انسان انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف فرشتوں کو دیکھتا ہے بلکہ فرشتوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہی وہ عید (خوشی)

ہے جو انسان کے لئے قلبی سکون کا باعث بنتی ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو قوم کی فکر و نظر میں ایسی تبدیلی لے آتی ہے جو بندے کو اللہ سے قریب کر دیتی ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے ایک تربیتی پروگرام ہے۔ اس مہینے میں ہر مسلمان کو اطاعت خداوندی کا خوگر بنایا جاتا ہے۔

نفسیات کا مسلمہ اصول ہے کہ ذہنی مرکزیت سے قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہن کو کسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دینے سے روشنیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ روشنیاں ذخیرہ ہو جاتی ہیں تو آدمی مادی پستیوں سے نکل کر روحانی رفعتوں کو چھونے لگتا ہے۔

رمضان المبارک کے بیس روزوں کے بعد ایک رات ایسی آتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ لیلتہ القدر ہزار مہینوں سے افضل ہے اور اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس میں فرشتے اور روح اترتے ہیں اور یہ پوری رات اللہ کی طرف سے خیر اور سلامتی کی رات ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان میں حکمت مخفی ہے۔

شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ ہزار مہینوں میں تیس ہزار دن اور تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک رات کی عبادت وریاضت ساٹھ ہزار دن اور رات کی عبادت اور ریاضت سے افضل ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی مقام ہے:

"شب قدر میں فرشتے اور حضرت جبرائیلؑ اپنے رب کے حکم سے سلامتی کے ساتھ اترتے ہیں اور جو بندے شب قدر میں اپنے خالق کی یاد اور محبت میں اور اس کی قربت کے حصول کیلئے جاگتے ہیں۔ فرشتے اور حضرت جبرائیلؑ ان سعید بندوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی سعادت اور خوشی ہے کہ اس پر جتنا شکر کیا جائے اور جس قدر خوشی کا اظہار کیا جائے وہ کم ہے۔ عید دراصل اسی سعادت اور اسی نعمت کا شکر ادا کرنے کا نام ہے۔"

دین فطرت

اسلام دین فطرت ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے اس فطری خوشی کے اظہار کے لئے ایسے ضابطے بنائے ہیں جن میں غیر فطری اعمال و حرکات نہیں ہیں بلکہ متانت اور بردباری ہے۔ اسلام نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح عید کی خوشی کے لئے بھی میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔

اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ دوسری اقوام کی طرح مسلمان غیر اخلاقی اور غیر فطری حرکات کے مرتکب ہو کر عید کے بنیادی مقاصد کو نظر انداز کر دیں۔

اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا مطلب ہے اعتدال۔ اعتدال میں عبادت اور عمل دونوں کو مساوی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی طرز زندگی جہاں روحانی خوشی کا سرچشمہ ہے وہاں کردار اور افعال کی تعمیر کا بھی وسیلہ ہے۔

قرآن و سنت کی پیروی کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد میں آدمیت کا احترام پیدا ہو جائے اور ہر مسلمان بحیثیت مسلمان اپنے بھائی کا سہارا بنے۔ ہر مسلمان ایک قوم کی حیثیت میں بلا تخصیص مذہب و ملت اس اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرے جو ہمارے نبی برحق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے اگر کسی کو فائدہ نہیں پہنچے تو کسی کو نقصان بھی نہ پہنچے۔"

رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہمیں یہی درس دیتا ہے۔

عید

عید خوشیوں کا گہوارہ ہے۔ عید کے روز اُجلے کپڑے پہننا خوشبو اور عطر لگانا، فطرہ دینا، دوسروں کے ساتھ بیٹھ کر لذیذ کھانے کھانا اور اپنے مرحوم اعزاو اقرباء کی قبروں پر جا کر فاتحہ پڑھنا حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے۔

اس کا فلسفہ یہ ہے کہ مسلمان خوشی و مسرت اور فخر و انبساط کے موقعوں پر بھی ماضی اور مستقبل سے وابستہ رہے۔ اسے یہ یاد رہے کہ یہاں سے جانا ہے اور ماضی میں کئے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس کے ذہن میں دوسروں کے لئے برادرانہ جذبات ہوں وہ مسکینوں، محتاجوں، بے کسوں، یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کی طرح دست گیری کرے کہ انہیں اپنی کم مائیگی کا احساس نہ ہو۔ اسلامی معاشرے کا منشاء ہی یہ ہے کہ قابل رحم افراد اور ضعیف طبقہ کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ جس ماحول میں رہ رہے ہیں وہاں کے لوگ ان کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوں۔

عید الفطر جہاں عطر بیز ہواؤں سے مہکتا ہوا خوشی کا ایک دن ہے وہاں قوم کے ہر فرد کے لئے ایک آزمائش اور امتحان بھی ہے۔ ہم رمضان المبارک کا پورا مہینہ اتحاد و تنظیم اور یقین محکم کے پروگرام پر عمل کر کے اعلیٰ اخلاق اور روحانی تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں اور جب یہ تعلیم و تربیت ہمارے اوپر غیب و شہود کی دنیا کو روشن کرتی ہے تو ہم انفرادی اور اجتماعی مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

اسلام کا یہ تہوار جسے عید کہا جاتا ہے ایثار، قربانی، یتیموں اور مسکینوں کی دلجوئی، اجتماعیت، صلۂ رحمی، آپس میں الفت و یگانگت،

احترام انسانیت اور عظمت دین کا آئینہ دار ہے۔ عید کے دن کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ مسلمان صبح بیدار ہونے کے بعد ہی ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ جب کہ عید اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار ہے۔ اسلام سے پہلے عرب اپنی تقریبات بازاروں میں منعقد کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس قوم کے بتوں کو توڑا تھا۔ وہ ہر سال ایک مقررہ دن شہر سے باہر چلے جاتے تھے۔ آج کی دنیا میں بھی اعلیٰ تہذیب یافتہ ہونے کا دعویٰ کرنے والی اقوام اپنے تہوار پارکوں، کلبوں، سڑکوں اور عیش و نشاط کی دیگر مخصوص جگہوں پر مناتی ہیں لیکن مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ عید کی پر مسرت گھڑیوں کی ابتداء اور انتہاء عید گاہوں اور مساجد میں جمع ہو کر کرے اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

"روزہ میرے لئے ہے"۔ (حدیث قدسی)

اس جملے کے بہت سے معنی نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ روزہ میرے لئے ہے۔ روزہ اللہ اور بندے کے درمیان معاہدہ ہے۔ جس پر بندہ عمل کرتا ہے۔ فکر طلب یہ بات ہے کہ روزے میں دکھاوا نہیں ہوتا۔

اب ذرا ان اصولوں کو سمجھ لیجئے جن اصولوں پر روزے کی بنیاد قائم ہے اور جن اصولوں سے روزے کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ انسان تین وقفوں میں زندگی گزارتا ہے۔

۱۔ حصول معاش میں آٹھ گھنٹے۔

۲۔ حقوق اللہ، حقوق العباد کو پورا کرنے میں آٹھ گھنٹے۔

۳۔ آرام کرنے اور زندگی کے لئے توانائی حاصل کرنے کے لئے آٹھ گھنٹے۔

ان حصوں میں سے ایک حصے میں کھانا پینا، کاروبار معاش اور زندگی کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ان سولہ گھنٹوں میں آٹھ گھنٹے میں "من عرفہ نفسہ فقد عرفہ ربہ" (جس نے خود کو پہچان لیا پس تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے زیر اثر آتے ہیں۔ یہ وہ عرصہ ہے جس عرصے میں انسان غور و فکر کرتا ہے کہ

میں کون ہوں؟

کہاں سے آیا ہوں؟

مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟

کیوں پیدا کیا ہے اور میری تخلیق کا منشاء کیا ہے؟

اس طرح انسان کو آٹھ گھنٹے باطن کا تزکیہ کرنے کے لئے مل جاتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرتے ہیں کہ وہ اپنی ذات کو پہچان لے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ

''ہم تمہاری رگ جان سے زیادہ قریب ہیں۔''

(سورۃ ق۔ آیت ۱۶)

انسان کے پاس آٹھ گھنٹے سونے آرام کرنے، صحت منداور بیمار رہنے کے لئے باقی رہتے ہیں۔

عام زندگی کے برعکس رمضان المبارک کے مہینے میں غور و فکر کا وقفہ بڑھ جاتا ہے۔ نیند کا وقفہ کم ہو جاتا ہے۔ غذا کم ہو جاتی ہے۔ رمضان المبارک میں اللہ کے لئے بھوکے پیاسے رہنے سے اور عبادت سے دماغ میں آہستہ آہستہ بیس دن میں اتنی پاکیزگی آجاتی ہے کہ اندرونی احوال کا دل پر عکس پڑنے لگتا ہے۔

آخری میں تیسرا عشرہ آتا ہے اس عشرے میں ہر رات زیادہ سے زیادہ جاگنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا فضول باتوں اور خرافات سے محفوظ رہنا دل کو جلا بخشتا ہے اور یہ تمام اعمال انسان کو اتنا نورانی کر دیتے ہیں کہ وہ خود کو لطیف محسوس کرتا ہے اور جس نورانی کیفیت سے وہ عید کا چاند دیکھتا ہے یہ کیفیت اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔

وہ اسی خوش کن کیفیت میں صبح بیدار ہوتا ہے، نہاتا ہے، کپڑے بدلتا ہے، خوشبو لگاتا ہے۔ شیر خرمہ کھاتا ہے اور عید گاہ کی طرف جاتا ہے تاکہ اس نورانی کیفیت کے شکرانے میں دو نفل ادا کرے۔

نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ جب ضمیر کے مطابق عمل کرنے والا بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا ہے تو وہ اس حالت میں خود کو اللہ کے قریب محسوس کرتا ہے۔ یہ عمل انفرادی طور پر نہیں اجتماعی طور پر ہوتا ہے۔ عید کی نماز ادا کرتے وقت تمام افراد اجتماعی طور پر خود کو ایک فرد محسوس کرتے ہیں اور یہی اہم بات ہے کہ پورا عالم اسلام اجتماعی طور پر اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔

ملائکہ اعلان کرتے ہیں

اہل مدینہ دو مخصوص دن تفریح کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا۔"یہ دوروز کیا ہیں؟"

اہل مدینہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! زمانہ جاہلیت کے وقت ہم ان دنوں میں کھیل کود اور تفریح کیا کرتے تھے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے اہل یثرب اللہ تعالیٰ نے تم کو ان دونوں کی بجائے ان سے بہت اعلیٰ و ارفع دن عید الفطر اور عید الضحیٰ عطا فرمائے ہیں۔"

اور ارشاد فرمایا۔

"جب عید کا دن ہوتا ہے تو فرشتے عید گاہ کے راستے میں انتظار کرتے ہیں اور پکارتے ہیں۔"(حدیث)

"اے مسلمانوں کے گروہ چلو رب کریم کی طرف جو احسان کرتا ہے بھلائی کے ساتھ اور اجر عطا فرماتا ہے اور تم کو عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس تم نے قیام کیا اور تم نے روزے رکھے اور اپنے رب کریم کی اطاعت کی۔ اب تم انعام حاصل کرو اور جب نمازی عید کی نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ملائکہ اعلان کرتے ہیں۔"

"آگاہ ہو جاؤ بے شک تمہارے رب نے تمہیں اجر عطا فرمایا اور تم آئے اپنے گھر کی طرف کامیاب ہو کر۔"(حدیث)

بچے اور رسول اللہ ﷺ

عید الفطر کا دن تھا۔ صبح سویرے تمام مسلمان عید کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مسرت و شادمانی کی فضا مدینہ پر چھائی ہوئی تھی۔ عید کی نماز کا وقت جیسے جیسے قریب آرہا تھا، بوڑھے اور جوان اپنے اچھے اور پاکیزہ لباس میں ملبوس عید گاہ کی طرف جوق در جوق جارہے تھے۔ بچے اپنے بزرگوں کے ساتھ تھے۔ فضا خوشبو سے معطر تھی اور بچوں کی آوازیں خوشنما روح پرور، فرحت انگیز اور دلکش تھیں عید کی نماز ختم ہوئی۔ لڑکے اچھلتے کودتے شاداں اور فرحاں اپنے اپنے گھروں کی جانب واپس ہونے لگے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے دیکھا کہ عید گاہ میں ایک طرف بچہ کھڑا ہوا ہے۔ جس نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور وہ رو رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ اس لڑکے کے قریب تشریف لے گئے شفقت و محبت سے لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھا۔ لڑکے نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔"خدا کے واسطے مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

حضور ﷺ نے اس کے بالوں میں شفقت سے انگلیاں پھیریں اور فرمایا:

"میرے بچے۔۔۔مجھے بتاؤ تمہارے ساتھ ہوا کیا ہے؟"

بچے نے روتے ہوئے کہا۔

"میری ماں نے دوسری شادی کرلی ہے اور ابا نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ آج سب لڑکے نئے نئے کپڑے پہن کر خوشی کھیل رہے ہیں اور میرے پاس نہ کھانے کی کوئی چیز ہے اور نہ پہننے کو کپڑے ہیں۔"

لڑکے کی داستان سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"اگر میں تمہارا باپ ہو جاؤں اور عائشہؓ تمہاری ماں اور فاطمہؓ تمہاری بہن بن جائیں تو میرے بچے کیا تم خوش ہو جاؤ گے؟"
لڑکے نے فوراً ہاں میں سر ہلا دیا اور آنحضرت ﷺ سے لپٹ گیا۔ آپ ﷺ اس کو اپنے ساتھ گھر لے گئے۔

حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

"عائشہؓ یہ تمہارا بیٹا ہے۔"

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچے کو کپڑے دیئے اور کہا جاؤ غسل کر کے کپڑے پہن لو اور کھانا کھلانے کے بعد فرمایا۔

"بیٹے! اب تم باہر جاؤ اور بچوں کے ساتھ کھیلو، مگر دیکھو تھوڑی دیر کے بعد اپنے گھر واپس آجانا۔"

افکار کی دنیا

دنیا میں رائج علوم کو ہم تین دائروں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ طبعی علوم

۲۔ نفسیاتی علوم

۳۔ مابعد النفسیاتی علوم

پہلے دو علوم کے بارے میں تفصیلات بیان کرنا ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ ہم مابعد النفسیات کے علوم کی تشریح بیان کرتے ہیں۔ آدمی تین دائروں سے مرکب ہے۔ شعور، لاشعور، ورائے لاشعور۔ یہ تینوں دائرے دراصل تین علوم ہیں۔ جس وقت ہم مظاہراتی خدوخال میں داخل ہوتے ہیں یعنی ہمیں کسی چیز کا احساس ہوتا ہے ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں یا ہمارے اندر خواہشات اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں تو ہم تین دائروں میں سفر کرتے ہیں۔

پہلے ہمیں کسی چیز کی اطلاع ملتی ہے پھر اس اطلاع میں تصوراتی نقش و نگار بنتے ہیں اور پھر یہ تصوراتی نقش و نگار، مظہر کا روپ دھار کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔

اطلاعات کے علم کو ہم ایک دوسرے طریقے سے بیان کرتے ہیں۔

کائنات میں پھیلے ہوئے مظاہر میں اگر تفکر کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اطلاعات تمام موجودات میں قدر مشترک رکھتی ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ پانی کو آدمی، حیوانات، نباتات و جمادات پانی سمجھتے ہیں اور پانی سے اسی طرح استفادہ کرتے ہیں جس طرح آدمی کرتا ہے۔ جس طرح پانی کو پانی سمجھا جاتا ہے اسی طرح آگ ہر مخلوق کے لئے آگ ہے۔ آدمی اگر آگ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو بکری، شیر، کبوتر اور حشرات الارض بھی آگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک آدمی مٹھاس پسند کرتا

ہے۔ دوسرا طبعاً میٹھی چیزوں کی طرف راغب نہیں ہوتا لیکن ہر دو اشخاص میٹھے کو میٹھا اور نمک کو نمک کہتے ہیں۔ علم مابعد النفسیات یا مصدر اطلاعات کا علم ایک ایسا علمی دائرہ ہے جس کے اندر بے رنگی پائی جاتی ہے۔ جب اس بے رنگی میں لاشعور رنگ بھر دیتا ہے تو اس کی حیثیت نفسیات کی ہو جاتی ہے اور جب یہ عمل فعال اور متحرک ہو جاتا ہے تو اس کی حیثیت شعوری بن جاتی ہے۔

شعور اس ایجنسی کا نام ہے جو معانی کو مظاہراتی لباس بخشتا ہے۔ لاشعور اس رخ کا نام ہے جو کسی اطلاع کو معنی پہناتا ہے اور ورائے لاشعور ایک ایسا دائرہ ہے جس میں علم کی حیثیت محض علم کی ہوتی ہے یعنی وہ علم جو بحیثیت علم کے صرف علم ہوتا ہے۔ اس میں معانی اور خدوخال سمتیں یا اُبعاد (Dimension) نہیں ہوتے۔ ورائے لاشعور سے گزر کر جب علم شعور میں داخل ہوتا ہے تو لاشعور اپنی دلچسپی اور ماحول سے ملی ہوئی طرز فکر کے مطابق اسے معنی پہنا دیتا ہے۔

مثال

بھوک ایک اطلاع ہے جب تک یہ ورائے لاشعور میں موجود ہے محض بھوک ہے لیکن لاشعور میں داخل ہونے کے بعد اس تقاضے کی تکمیل الگ الگ معانی پہنا کر کی جاتی ہے۔

بھوک کی اطلاع شیر اور بکری دونوں میں موجود ہے لیکن بکری اس اطلاع کی تکمیل میں پتے کھاتی ہے اور شیر بھوک کی اطلاع پوری کرنے کے لئے گوشت کھاتا ہے۔

بھوک کا معاملہ دونوں میں قدر مشترک ہے۔ البتہ بھوک کی اطلاع کو الگ الگ معانی پہنانا دونوں کا جداگانہ وصف ہے۔ نوع انسانی میں شروع ہی سے تحقیق و تلاش کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ آدم زاد نے ابتدائے آفرینش سے اپنے اردگرد موجود اشیاء کو سمجھنے اور اس پر تصرف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ہمیشہ طبع آزمائی کرتا رہا کہ

یہ پوری کائنات کیسے بنی؟

کیوں بنی؟

میں خود کیسے وجود میں آیا اور میں فنا کیوں ہو جاتا ہوں؟

اس کوشش میں انسان نے بہت سے مدارج طے کئے۔

تحقیق و تلاش

اول اول اس نے طبیعیات کے میدان میں ہاتھ پیر مارے اور اس کی توجہ مادے کو سمجھنے میں مرکوز رہی۔ اس نے اپنی ضروریات اور خواہشات کے مطابق دھات، عمارت سازی، فلکیات، طب اور اسی طرح کے اور بہت سے علوم مدون کئے اور ان علوم کو وسعت دیتا رہا۔ لیکن پھر بھی کائنات کی حقیقت اور ماہیت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ واضح رہے کہ یہ انسان کی عمومی حالت کا ذکر ہے کیوں کہ ہر زمانے میں نوع انسانی میں بہت سے ایسے حضرات موجود رہے جو پابندیوں سے ماوراء تھے اور ان کی صلاحیتیں لوگوں کے لئے مشعل راہ بنی رہیں۔

دسویں صدی ہجری /۱۶ویں صدی عیسوی سے ترقی کی رفتار نے کروٹ لی اور اس میں تیزی پیدا ہوئی اور پھر یہ رفتار بڑھتی رہی۔ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی جو اسلامی کیلنڈر کے حساب سے تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری ہے علم طبیعیات میں انقلاب برپا ہوا اور انسان کے سامنے نئی نئی راہیں اور نئے نئے علوم آتے رہے۔

انسان نے لہروں کو دریافت کر کے ریڈیو اور ٹی وی ایجاد کر لیا۔ بجلی دریافت کر کے برقیات کی بنیاد رکھی۔ فاصلے سمٹ گئے اور وقت کی اس حد تک نفی کر دی گئی کہ برسوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔

ان نت نئی ترقی اور سوچ بچار نے انسان کے ذہن کو تیزی عطا کی اور اس نے یہ معلوم کر لیا کہ انسان کے شعور اور مادی حرکات کے پیچھے بھی لطیف حرکات موجود ہیں جن کے ذریعے مادہ حرکت کر رہا ہے۔

آواز کی دریافت ان کے طول موج کی پیمائش اور لہروں کی دریافت نے ان خیالات کو تقویت بخشی ہے۔

انسان نے مزید جستجو کر کے نفسیات کی بنیاد رکھی اور اس کو باقاعدہ ایک علم کی شکل دے دی۔

خیالات، تصورات اور احساسات جیسے غیر مرئی وجود کو اہم اور اثر پذیر سمجھ کر اس پر تحقیق کے دروازے کھول دیئے پھر انسان نے ایک قدم اور بڑھایا اس نے اپنی تحقیقات کے ذریعے طبیعیات اور نفسیات کے اس پار بھی ایک اور دنیا کا سراغ لگایا اور اس کو مابعد الطبیعیات میٹا فزکس یا پیرا سائیکالوجی کا نام دیا۔

Carlen Photography

سائنسدان فوٹو گرافی کی اعلیٰ ترین تکنیک کرلین فوٹو گرافی (Carlen Photography) استعمال کرکے رنگوں کی دنیا میں داخل ہوگئے۔ انہوں نے جسم مثالی یا ہالۂ نور کے وجود سے بھی واقفیت حاصل کی جو ہر مادی شئے پر محیط ہے اور اسے (AURA) کا نام دیا۔ امریکہ، یورپ اور بطور خاص روس میں کی جانے والی دریافت نے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچادی ہے کہ لہریں مادی کو کنٹرول کرتی ہیں اور اسی کی بنیاد پر مادہ کا قیام ہے۔ اب یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ انسان کے اندر صلاحیتوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس میں ٹیلی پیتھی، مستقبل بنی جیسی صلاحیتیں سامنے آتی رہتی ہیں اور ان پر تحقیقی کام جاری ہے۔ آج انسان اس نقطہ پر ہے جہاں وہ مادہ کو محسوس کرنے کے بعد لہروں پر دسترس حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

قرآن علوم کا سرچشمہ ہے

قرآن پاک کائنات کے تمام قوانین اور علوم کا سرچشمہ ہے۔ قرآن پاک کے مضامین معنویت کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

ایک حصہ ان اصول و قوانین اور شریعت پر مشتمل ہے جو ایک فلاحی معاشرے کے لئے ضروری ہے اور اسی حصہ میں اخلاقی اقدار اور قوموں کے عروج وزوال کے اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں۔

دوسرا حصہ تاریخ اور حالات تیسرا حصہ جو قرآن کا ایک بڑا حصہ ہے۔ ان فارمولوں اور قوانین سے بحث کرتا ہے جن کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اس حصہ میں موت کے بعد کی زندگی کے حالات بھی شامل ہیں اور اسی حصہ کو معاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ کائناتی قوانین ناقابل تغیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق یہ ازل سے ایک ہیں اور ابد تک ایک ہی رہیں گے۔

قرآن پاک میں انہیں "فطرت اللہ" اور "اللہ تعالیٰ کا امر" بھی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یا اللہ تعالیٰ کا امر ان قوانین اور فارمولوں کا مجموعہ ہے جن کے تحت ہر آن اور ہر لمحہ کائنات کو حیات نو مل رہی ہے۔ کائنات ایک مربوط اور منظم پروگرام ہے جس میں "اتفاق" کا کوئی دخل نہیں ہے۔ سب کچھ "الٰہی قانون" کے تحت واقع ہوتا ہے۔

علماء باطن اور محققین نے پہلے دو حصوں پر تو توجہ دی ہے اور تیسرے حصے کی وضاحت اس لئے نہیں ہوئی کہ اس کو سمجھنے کے لئے شعوری مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اس علم کا تعلق عقل و شعور کے ساتھ روحانی کیفیات سے ہے۔

روحانی علوم اس وقت حاصل ہوتے ہیں۔ جب طالب علم شعوری طور پر واردات و کیفیات سے آگاہ اور باخبر ہو۔ ورائے لاشعور (روحانی) علوم کو سمجھنے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ ہم اپنی نفسانی خواہشات اور زندگی کے ظاہری عوامل پر ضرب لگا کر دنیاوی دلچسپیاں کم سے کم کر دیں۔

قرآن پاک میں اس علم کو "کتاب کا علم" سے متعارف کرایا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے درباریوں سے فرمایا:

"میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے پہنچنے سے پہلے اس کا تخت شاہی دربار میں آجائے۔"(سورۃ النمل۔ آیت ۳۸)

عفریت نے کہا جو قوم جنات میں سے تھا۔۔

"اس سے پہلے کہ آپ دربار برخاست کریں میں یہ تخت لا سکتا ہوں۔"(سورۃ النمل۔ آیت ۳۹)

جن کا دعویٰ سن کر ایک انسان نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔

"اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے تخت دربار میں موجود ہو گا۔"(سورۃ النمل۔ آیت ۴۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو ملکہ سبا کا تخت دربار میں موجود تھا۔ حالانکہ یمن سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً پندرہ سو میل ہے۔

کتاب کا یہ علم ان کائناتی قوانین اور فارمولوں پر قائم ہے جن پر کائنات چل رہی ہے۔ زمین کی گردش، آسمان سے پانی برسنا، نباتات کا اُگنا، زمین پر موجود حیوانات اور جمادات کی پیدائش اور موت، ان کی زندگی کی تحریکات، سیاروں کی گردشیں، ان میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں غرض کہ ہر حرکت قانون کی پابند ہے۔ یہی علم آدم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور خاص ودیعت ہوا ہے۔ جسے قرآن پاک میں "علم الاسماء" کہا گیا ہے اور اسی علم نے آدم کو فرشتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ یہی علم مومن کی میراث ہے اس علم سے کوئی انسان جس کو اللہ تعالیٰ چاہے تسخیر کائنات کے فارمولوں سے واقف ہو جاتا ہے۔

روشنی سے علاج

قرآن پاک کے بیان کردہ حقائق یہ ہیں کہ ہر شئے الگ الگ معین مقدار کے ساتھ تخلیق ہوئی ہے۔ ہر شئے کی لہریں ہمیں وجود کی اطلاع بخشتی ہیں۔ اس وقت ہمیں سوچنا ہے کہ لوہا، تانبا، سونا، لکڑی، انسان اور حیوانات، نباتات اور جمادات میں کون سی لہریں کام کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیقی فارمولے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

"وہ خالق جس نے تم کو نفس واحدہ سے تخلیق کیا۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۸۹)

یعنی نوع انسانی کی تخلیق میں بنیادی چیز "نفس" ہے۔

یہ نفس کیا ہے؟

اس کی وضاحت میں کافی وقت اور کاغذ درکار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ کائنات میں موجود ہر شئے مقرر کردہ انبیاء پر قائم ہے۔ مظاہراتی اشیاء (Visible Objects) میں درخت اپنی جڑوں پر، مکان اور بلڈنگیں بنیادوں پر قائم ہیں۔ غائب کی دنیا (Invisible World) میں ہر شئے کی بنیاد روشنی ہے۔

روشنی کا عمل

موجودہ سائنس کی دنیا کسی حد تک واقف ہے کہ کہکشانی اور شمسی نظاموں سے ہماری زمین ہم رشتہ ہے اور ان نظاموں کی روشنی زمین کی نوعوں (انسان، حیوانات، نباتات، جمادات) کو ہر لمحہ متاثر کرتی ہے۔

سائنس دان ابھی تک یہ سمجھنے پر قادر نہیں ہوئے کہ شمسی نظاموں کے اندر، حیوانات کے اندر، نباتات کے اندر اور جمادات کے اندر روشنی کس طرح اور کیا عمل کرتی ہے۔ کس طرح جانوروں، انسانوں، نباتات اور جمادات کی کیفیات میں ردوبدل کرتی رہتی ہے؟

ہم جب کسی پتھر، لوہے یا لکڑی کو دیکھتے یا چھوتے ہیں تو ہمیں اس چیز کی ساخت کا علم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دماغ کے اوپر وہ سخت چیز ٹکراتی نہیں ہے۔ سائنس کے نقطۂ نظر اور علوم کی روشنی میں ہر شئے دراصل شعاعوں یا لہروں کے مجموعے کا نام ہے۔ جب ہم لکڑی! لوہے یا پتھر سے کسی بھی طریقہ سے متوجہ ہوتے ہیں تو لکڑی یا لوہے کی شعاعیں ہمارے دماغ کو باخبر کر دیتی ہیں کہ میں لکڑی ہوں، لوہا پتھر یا مٹی ہوں۔ ہم پانی کو دیکھتے یا چھوتے ہیں تو ہمیں فوراً یہ اطلاع مل جاتی ہے یہ پانی ہے حالانکہ ہمارا دماغ بھیگا نہیں ہے۔ جب دماغ کے اوپر پانی کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے ہم یہ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ پانی ہے۔

قرآن پاک کے بیان کردہ حقائق یہ ہیں کہ ہر شئے معین مقدار کے ساتھ تخلیق ہوئی ہے۔ لہروں یا شعاعوں کی معین مقداریں ہی ہر شئے کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں اور ہر شئے میں یہ لہریں ہمیں اپنے الگ الگ وجود کی اطلاع فراہم کرتی ہیں۔ ہر موجود شئے دراصل لہروں یا شعاعوں کا دوسرا نام ہے اور شئے کی لہر یا شعاع الگ الگ اور معین ہے۔ یہ بات وضاحت طلب ہے کہ لوہا، تانبا، سونا، لکڑی، انسان، حیوانات، جمادات اور نباتات میں کس کس قسم کی لہریں کام کرتی ہیں جو ہر شئے کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں پیش نظر مضمون میں ہم صرف انسان اور انسان کی نوع پر گفتگو کریں گے۔

چھ نقطے

روحانی علوم میں یہ بات سکھائی جاتی ہے کہ نوع انسانی کی بنیاد پر ایک نفس پر قائم ہے جس کو ہم ایک نقطہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس نقطہ کے چھ رخ ہیں۔ ان کو چھ دائرے بھی کہا جا سکتا ہے۔

دائرہ نمبر ایک: جب لہریں ٹوٹ کر بکھرتی ہیں تو واہمہ تخلیق پاتا ہے جب یہی لہریں نمبر ۲ دائرہ میں داخل ہوتی ہیں تو خیال بن جاتا ہے۔ خیال کی روشنیاں جب دائرہ نمبر ۳ میں داخل ہوتی ہیں تو تصور بن جاتا ہے اور تصور دائرہ نمبر ۴ میں نزول کرتا ہے تو احساس بن جاتا ہے اور جب احساس کی لہریں دائرہ نمبر ۵ میں داخل ہوتی ہیں تو مظاہراتی خدوخال کا روپ دھار لیتی ہیں۔

دائرہ نمبر ۶ مظاہراتی خدوخال کا یہ روپ جب حرکت میں آتا ہے تو ہم احساس کے اس مرحلے میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں ہم کسی چیز کو پہچان کر اس کا نام رکھ دیتے ہیں۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی "بنیاد" پر قائم ہے تو یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ انسان کی زندگی میں کام کرنے والے عوامل بھی کسی نہ کسی بنیاد پر قائم ہیں۔ الجھن، اضطراب، پریشانی، بیماری، غم کی بھی ایک بنیاد ہے۔ اسی طرح سکون، راحت، آرام، صحت بھی اسی اصول پر قائم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ہم نے اپنی امانت سماوات اور ارض اور پہاڑ کو پیش کی انہوں نے کہا ہم اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ اس امانت کو قبول کر لیں۔ (ہم نے اگر قبول کر لیا تو ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے) انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔''
(سورۃ الاحزاب۔ آیت ۷۲)

آیت مقدسہ پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سماوات، ارض اور پہاڑ بھی شعور رکھتے ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے اقرار یا انکار میں شعور کی کارفرمائی لازمی ہے۔ اس قانون کے تحت زمین بھی باشعور ہے۔ لہٰذا زمین کی کوکھ سے جنم لینے والی ہر چیز باشعور ہے۔ غم، خوشی، سکون، راحت و آرام، اضطراب، الجھن، پریشانی، دماغی کشمکش، اعصابی کشاکش بھی کسی بنیاد پر قائم ہیں۔ چونکہ زمین کی فضا (Atmosphere) سے تعلق رکھتی ہے اس لئے یہ سب چیزیں بھی شعور کے دائرے میں مقید ہیں۔ دائرہ نمبر ۵ اور دائرہ نمبر ۶ میں اگر لہروں کا توازن برقرار نہ رہے تو سکون کی جگہ اضطراب، خوشی کی جگہ غم، صحت کی بجائے بیماریاں وجود میں آجاتی ہیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے ہم جو کچھ بھی دیکھ رہے ہیں وہ باہر نہیں دیکھ رہے ہیں۔ ہر شئے کا مظہر ہمارے اندر ہے ہم سمجھتے یہ ہیں کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں ہمارے سامنے ہے۔ حالانکہ کسی شئے کا خارج میں موجود ہونا کافی نہیں ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ ہم ہر چیز کا مشاہدہ اپنے اندر کرتے ہیں اور یہ سب کا سب ہمارا علم ہے۔ وہ علم جو ہمارے اندر کام کرنے والے چھ دائروں سے گزر کر ہمیں اطلاع بخشتا ہے اگر ہمیں کسی شئے کا علم حاصل نہ ہو تو ہم اس چیز کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے یا اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

علم لہر یا شعاع سے باخبر انسان یہ بات سمجھنے پر قدرت حاصل کر لیتا ہے کہ لہروں میں کیا تغیر واقع ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اضطراب یا کوئی بیماری انسان کے اوپر مسلط ہو گئی ہے۔ علاج کے مختلف طریقے رائج ہیں۔

معالج اس حقیقت کو سمجھتے ہوں یا ان کی نظر اس طرف نہ گئی ہو لیکن یہ مسلمہ امر ہے کہ وہ ہی دوائیں آرام پہنچاتی ہیں جو لہروں کے نظام میں معاون ہوں۔

اگر کسی مریض کو ایسی دوائیں دی جائیں جو اس کی کٹی ہوئی بکھری ہوئی ٹوٹی ہوئی متحرک لہروں کے توازن کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوں تو مریض شفا حاصل کر لیتا ہے بصورت دیگر مریض صحت یاب نہیں ہوتا۔

قانون

قانون قدرت کے تحت داؤں کا قیام یا عمل پذیری بھی لہروں اور صرف لہروں پر ہے۔

ہر علاج میں یہی اصول کار فرما ہے مجملہ تمام مروجہ طریقۂ علاج کے علاوہ ایک طریقۂ علاج یہ بھی ہے جو علم سینہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں معالج کو ایسے علم سے روشناس کرایا جاتا ہے، جس میں لہروں کے نظام سے بحث کی جاتی ہے۔

معالج تعلیمی اور تربیتی نصاب کی تکمیل کے بعد اس بات سے باخبر ہو جاتا ہے کہ کون کون سی لہروں میں تغیر یا کمی بیشی ہونے کی وجہ سے امراض لاحق ہوتے ہیں اور لہروں کو اگر متوازن کر دیا جائے تو مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔

امراض کا روحانی علاج

معالج کو یہ مشق کرائی جاتی ہے کہ اس کے اندر لہروں کا ذخیرہ اس قدر ہو جاتا ہے کہ زندگی میں کام کرنے والی لہر معالج کے اندر متحرک ہو جاتی ہیں۔ معالج عشق کے بعد جب اس قدر (Magnetized) ہو جاتا ہے تو وہ صحت مند لہریں مریض کے اندر ذخیرہ کر دیتا ہے اور مریض میں لہروں کا بکھرا ہوا نظام بحال ہو جاتا ہے۔

ایک طرف لہریں مریض میں جذب ہو جاتی ہیں تو دوسری طرف معالج کے اندر سے صحت مند لہریں مریض کے اندر ذخیرہ ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ میں مریض صحت مند ہو جاتا ہے۔

مشق کا طریقہ

مشق نمبر ا:

وقت مقرر کر کے کسی گوشہ میں بیٹھ جائیں آلتی پالتی مار کر یا اس طرح جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں۔ منہ شمال کی طرف کر کے ناک کے نتھنوں سے آہستہ آہستہ بہت آہستہ سانس اندر کھینچیں جتنی دیر سانس اندر لے سکیں۔ گھڑی دیکھ کر پندرہ سیکنڈ سانس روکے رکھیں اور پھر آہستہ آہستہ منہ کھول کر سانس باہر نکال دیں جس وقت سانس باہر نکالیں، منہ اس طرح کھلنا چاہئے جس طرح سیٹی بجاتے وقت ہونٹ گولائی میں کھلتے ہیں۔

اس عمل کو پچیس مرتبہ دہرائیں اگر دماغ کے اوپر زیادہ دباؤ محسوس ہو تو گیارہ دفعہ سے شروع کر کے بتدریج ۲۵ مرتبہ تک اس مشق کو معمول بنالیں چالیس روز کی صبح شام مشق کے بعد کوئی بھی شخص ۱۵ سیکنڈ تک سانس روکنے پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔

اس مشق کے بعد اندھیرا کرلیں آنکھوں پر ہلکا روئیں دار تولیہ باندھ لیں گرفت ایسی ہونی چاہئے کہ آنکھوں پر دباؤ نہ پڑے۔ آنکھوں پر تولیہ باندھنے سے مقصد یہ ہے کہ پپوٹوں کی حرکت معطل ہو جائے۔

مراقبہ میں بیٹھ جائیں اور بائیں طرف متوجہ ہو کر بند آنکھوں سے اپنے دل کے اندر دیکھنے کی کوشش کریں۔ تصور یہ ہونا چاہئے کہ میں خیالات و تصورات اور احساسات کے ساتھ اپنے دل کے اندر موجود ہوں اور میں روشنیوں کا بنا ہوا ہوں۔ چالیس روز کی مشق پوری ہونے کے بعد انسان اپنے اندر خود کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جب آپ خود کو اپنے مثالی پیکر کو یا روشنیوں کے تانے بانے سے بنے ہوئے ایک جسم کو دل کے اندر دیکھ لیں تو یہ تصور کریں کہ میرے دل کے اندر ایک دنیا آباد ہے اور میں اس دنیا میں چل پھر رہا ہوں۔

یاد رہے کہ مراقبہ کے وقت پیٹ خالی ہونا چاہئے۔ مراقبہ اور سانس کی مشق کم از کم کھانے کے تین گھنٹے بعد کریں۔ زیادہ مناسب ہے کہ صبح صادق کے وقت ۲x۲ فٹ خالص سیسہ کی پلیٹ پر دونوں ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ سفید پلاسٹک پر ایک انچ کے برابر ایک دائرہ بنا کر اس میں سیاہ چمکدار روشنی بھر دیں۔ یہ پلاسٹک سامنے دیوار پر لٹکا دیں۔ اس دائرے اور آپ کے درمیان تین سے پانچ فٹ کا فصلہ ہونا چاہئے۔ سیسہ کی پلیٹ پر ہاتھ رکھے رکھے اس سیاہ دائرے پر نظر جما دیں اس طرح کہ پلک نہ جھپکے۔ شروع میں آنکھوں سے پانی نکلے گا اور آنکھوں میں جلن بھی ہو گی۔ ناک سے بے تحاشہ پانی بہے گا۔ اگر مزاج صفراوی ہے تو منہ سے کھٹا اور بدبو دار لعاب بھی خارج ہو سکتا ہے۔ کانوں میں سماعت کے پردہ میں تناؤ اور تشنج کی کیفیت رونما ہو گی لیکن ان تمام باتوں میں سے کسی کی پرواہ نہ کریں اور یہ مشق ۱۵ منٹ سے شروع کر کے ایک گھنٹے کے وقفے تک لے جائیں۔
نوٹ: اس مشق کے لئے استاد کی رہنمائی ضروری ہے۔

مشق نمبر ۲:

دو چلے پورے کرنے کے بعد نظر کے اندر اتنا ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ نظر آپ کے ارادے کے زیر اثر آپ کے اندر مشاہدہ کرنے لگے گی (بشرطیکہ مشق میں ذہنی یکسوئی ہو) ان ۸۰ دنوں کی مشقوں اور مراقبے کے نتیجے میں الجھن، اکتاہٹ، بیزاری اور شدید مایوسی کے دورے پڑ سکتے ہیں۔ شعور اپنی پوری صلاحیت اس بات کے لئے صرف کر دے گا کہ جس طرح بھی ہو آپ ان مشقوں کو ترک کر دیں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ شعور کی اس بغاوت کو نہایت بے دردی سے کچل دیں۔

یاد رکھئے! شعور کی مزاحمت کو ختم کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ آپ کسی مزاحم خیال کو رد کر دیں۔ شعور کو مغلوب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مزاحمت کرنے والے خیالات کو آنے دیں اور اپنے عمل میں مشغول رہیں۔

اگر شعور کے باغیانہ خیالات کی تردید میں ذہن گرفتار ہو گیا تو ہر وقت اس کے پست (Inactive) ہونے کا امکان ہے۔ مشق کرتے وقت خیالات کو آنے دیجئے خود گزر جائیں گے اس چکر میں نہیں پڑنا چاہئے کہ یہ خیال کیوں آرہا ہے یا اس قسم کے خیالات نہ آئیں۔

ان مشقوں کے نتیجے میں جب ذہن کے اندر اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ نظر ارادہ کے تحت مشاہدہ کرنے لگے تو مراقبہ میں کھلی آنکھوں سے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے یہ محسوس کریں کہ آپ کے ہر طرف نور کا دریا ہے۔

نور کا دریا

یہ تصور قائم کریں کہ نور کا دریا میرے اندر جذب ہو رہا ہے۔ کچھ عرصہ مشقوں کے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ کو ہر چیز دریا میں ڈوبی ہوئی نظر آ رہی ہے اور آپ جب یہ مشاہدہ کر لیں کہ آپ تصوراتی طور پر دریا میں ڈوب گئے ہیں تو یہ مشق مکمل ہو جائے گی۔ اس مشق کی تکمیل کے بعد چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھلی، بند آنکھوں سے اور مراقبہ میں نور کی بارش اس طرح برستے دیکھیں جس طرح کہ ہم بارش کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ تصور یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے اوپر نور کی بارش ہو رہی ہے۔ مشق کی کامیابی کے نتیجے میں مشق کرنے والا بندہ دیکھ لیتا ہے کہ اس کے اوپر نور کی بارش ہو رہی ہے اور جب آپ بوندوں کی لطافت محسوس کرنے لگیں اس مرحلے پر یہ مشق تکمیل کو پہنچ جائے گی۔

مشق نمبر ۳

مراقبے میں اٹھتے بیٹھتے، بند اور کھلی آنکھوں سے یہ محسوس کریں کہ میں ایک گنبد میں بند ہوں جس میں نور کی شعاعیں اور لہریں نکل رہی ہیں۔ اپنے اندر نور کی شعاعیں جذب ہونے کا تصور کریں۔ معمولی سی کوشش کے بعد یہ مشق بھی پوری ہو جائے گی۔

مشق نمبر ۴

چوتھی مشق یہ ہے کہ پارہ کا ایک حوض ہے جس میں آپ ڈوبے ہوئے ہیں جب حوض آپ کے مشاہدہ میں آجائے گا اور آپ اس کے اندر ڈوب جائیں گے تو مشق مکمل ہو جائے گی۔

مشق نمبر ۵

پانچویں مشق یہ ہے کہ ان چاروں مشقوں کو ایک ساتھ دہرائیں اور کامیابی ہونے تک دہراتے رہیں۔ ان تمام مشقوں کے ساتھ ساتھ سانس کی مشق، حلقہ بینی یعنی نظر جمانے کی مشق اور مراقبہ بدستور جاری رکھنا ضروری ہے۔

اس عمل کے بعد آپ کے اندر اتنی سکت پیدا ہو جائے گی کہ آپ کسی بھی بیماری کی تصویر اپنے اندر دیکھ لیں گے۔ ارادہ کے تحت یہ حکم دیں کہ بیماری ختم ہو گئی۔ کمزوری دور ہو گئی، درد رفع ہو گیا، مریض صحت مند ہے۔ وغیرہ

نوٹ: عرض ہے کہ مشق کرنے سے پہلے کامل استاد کی رہنمائی ضروری ہے۔

ہر مخلوق عقل مند ہے

دنیا میں جتنے بھی لوگ آباد ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ لوگ جو علوم سیکھ لیتے ہیں۔ ہمیشہ ان لوگوں کے مقابلے میں جو علم نہیں جانتے معزز رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے معاملات پر جب غور و فکر کیا جاتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام دنیا میں بھیجے ہیں۔ ہر پیغمبر علیہم السلام نے بتایا ہے کہ انسان اور حیوان کو ممتاز کرنے کے لئے جو قاعدے ہیں ان کے مطابق انسان دوسرے تمام حیوانات سے اس لئے افضل ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء سیکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔

جہاں تک عقل و شعور کا تعلق ہے تو عقل و شعور کائنات میں ہر مخلوق کو، ہر نوع میں، ہر فرد کو تقسیم ہوا ہے۔ کوئی بھی آدمی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ عقل و شعور صرف آدمی کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیونٹی اور بڑے سے بڑا ہاتھی بھی عقل و شعور رکھتا ہے۔

چیونٹی کے بارے میں آپ لوگوں نے سنا ہو گا اور قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کے بارے میں بیان فرمایا! اور قرآن پاک میں ایک سورۃ کا نام "سورۃ النمل" (چیونٹی) ہے اور ایک سورۃ کا نام "سورۃ الفیل" (ہاتھی) ہے۔

چیونٹی برسات آنے سے پہلے پہلے اپنے لئے اجناس کا ذخیرہ جمع کر لیتی ہے۔ جن لوگوں نے اس سلسلے میں ریسرچ کی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ چیونٹی جب زمین کے اندر ذخیرہ جمع کر لیتی ہے تو ذخیرہ کے لئے الگ الگ اسٹور بناتی ہے مثلاً چینی کی جگہ چینی رکھتی ہے۔ چاول کی جگہ چاول رکھتی ہے اور دیوار کے اندر کھود کر اس طرح اسٹور بناتی ہے کہ زمین کے اندر اگر پانی داخل ہو جائے تو اسٹور کی چیزیں خراب نہیں ہوں۔ ظاہر ہے کہ چیونٹی کے اندر عقل نہ ہو تو یہ اتنا بڑا پروگرام اس کی زندگی سے متعلق نہیں چل سکتا۔ ہاتھی کے بارے میں آپ نے سنا ہو گا کہ وہ بہت ذہین ہوتا ہے۔ گھوڑے کے بارے میں آپ نے سنا ہو گا کہ بہت ہی عقل مند اور اپنے مالک کا انتہائی وفادار ہوتا ہے۔

چڑیوں کا بھی یہی عمل ہے کہ جب ان کے بچے ہوتے ہیں تو وہ ان بچوں کو دانہ بھی دیتی ہیں ان کو اڑنا بھی سکھاتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی مخلوق ایسی نہیں ہے کہ جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس میں عقل نہیں ہے۔ کھانے کی عقل، سونے کی عقل، سردی گردی سے محفوظ رہنے کی عقل، بچوں سے پیار کرنے کی عقل، بچوں کو تربیت دینے کی عقل ہر مخلوق میں موجود ہے۔ بلی کو آپ دیکھیں بلی اپنے بچوں کو کس طرح پالتی ہے اور اس کو شکار کرنا سکھاتی ہے۔

ایک مرغی ماں کے رنگین روئی کے گالوں کی طرح بیس بیس بچے ہوتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب مرغی کو اس بات کا خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ چیل اس کے بچے کو اٹھا لے جائے گی۔ تو وہ ایک مخصوص آواز نکالتی ہے۔ سارے بچے جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے پروں میں چھپ جاتے ہیں۔

مرغی پروں کو پھیلا کر بچوں کو اپنی گود میں سمیٹ لیتی ہے اور بچے چیل سے بچ جاتے ہیں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ مرغی کی عقل ہے کہ اس نے اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے اپنے پروں میں چھپا لیا۔

دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ مرغی کے بچوں میں بھی عقل ہے۔ اگر بچوں میں عقل نہ ہوتی تو مرغی کی مخصوص آواز سن کر ماں کے پروں میں کس طرح چھپتے؟

زمین کے اوپر رہنے والی مخلوق کے بارے میں آپ جتنا بھی غور کریں گے۔ وہ چیونٹی ہو، بکری ہو، شیر ہو، کوئی اور جانور ہو آپ کو ان میں عقل نظر آئے گی۔ اس بات سے آپ کیسے انکار کر سکتے ہیں کہ شیر پتے نہیں کھاتا، وہ عقل و شعور کے اعتبار سے یہ بات جانتا ہے کہ شیر کی غذا گوشت ہے۔

اس بات سے کون آدمی انکار کر سکتا ہے کہ کبھی کسی نے بکری کو گوشت کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ بکری کا شعور اسے بتاتا ہے کہ بکری صرف گھاس ساگ اور پتے کھاتی ہے۔ گوشت اس کے کھانے کی چیز نہیں۔

غرض جب ہم زمین پر موجود حیوانات کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ہر جاندار چیز میں عقل کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

موازنہ

جب ہم انسان کا اور زمین کے اوپر موجود دوسری مخلوقات کا موازنہ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی زندگی کے معاملات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ جس طرح انسان میں عقل ہے اسی طرح دوسری مخلوق میں بھی عقل ہے۔

اگر عقل و شعور کی بنیاد پر انسان اور حیوانات کا تذکرہ کیا جائے تو ہم کسی بھی طرح انسان کو محض عقل و شعور کی بنیاد پر حیوانات سے ممتاز قرار نہیں دے سکتے۔

کہا جاتا ہے کہ جانوروں میں عقل کم ہوتی ہے اور انسانوں میں عقل زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسانی برادری میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو عقل و شعور کے اعتبار سے بھیڑ، بکری سے بھی کم عقل ہیں جن کو ہم (Reterded) کہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ۔۔۔

انسان جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات بنائی ہے۔ انسان جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو مسخر کر دیا ہے۔ انسان جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے چاند کو اور سورج کو، زمین کو، آسمان کو، ستاروں کو محکوم کر دیا ہے۔ انسان کس بنیاد پر حیوانات سے ممتاز ہے۔۔۔

جہاں تک چاند اور سورج کی روشنی کا تعلق ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ چاند کا مسخر ہونا یہ ہے کہ چاند کی چاندنی سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سورج کی دھوپ سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ سورج انسان کو روشنی پہنچاتا ہے، دھوپ پہنچاتا ہے اس لئے سورج انسان کے لئے مسخر ہے۔ تو یہ بات بڑی عجیب ہے۔ اس لئے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سورج کی تپش سے سورج کی روشنی سے درخت کو بھی فائدہ پہنچتا ہے، نباتات کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور جمادات کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

چاند کی چاندنی سے اگر انسان کے اندر سرشاری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو چاند کی چاندنی سے دوسرے حیوانات میں بھی یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

ایک پرندہ ہے چکور، جب چاند کی چاندنی شباب پر ہوتی ہے تو وہ چکور چاند کی چاندنی سے ہم آغوش ہونے کے لئے اڑتا ہے اور اتنا اڑتا ہے اتنا اڑتا ہے کہ گر کر مر جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چکور کا اور انسان کا موازنہ کیا جائے تو چاند کی کیفیت سے سرشاری چکور کے اندر زیادہ ہے۔

رات کی تاریکی سے انسان کے اندر سکون پیدا ہوتا ہے اور ذہن کے اندر ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔ اعصاب کو آرام ملتا ہے۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایسے پرندے بھی ہیں جو رات کے اندھیرے میں اپنا سارا کام کرتے ہیں مثلاً اُلّو کو دن میں نظر نہیں آتا۔ رات میں نظر آتا ہے۔ اب ہم یوں عرض کریں گے کہ اُلّو کا، چمگادڑ کا اور انسان کا موازنہ کیا جائے تو اُلّو اور چمگادڑ آدمی کی نسبت اندھیرے میں دیکھنے کیلئے زیادہ باصلاحیت ہیں چونکہ وہ آدمی کے برعکس رات کو اندھیرے میں دیکھتے ہیں۔

دن کی روشنی کا بھی یہی حال ہے۔ دن کی روشنی سب مخلوق کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اسی طرح رات کے تاثرات سے ہر مخلوق متاثر ہوتی ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جس کی بنیاد پر چاند، سورج، زمین، آسمان، ستارے اور فرشتے انسان کے لئے محکوم کر دیئے گئے۔ یہ حاکمیت نہیں ہے کہ چاند سے آپ کو چاندنی ملے گی۔ یہ حاکمیت نہیں ہے کہ سورج مشرق سے نکلتا ہے۔ مغرب میں غروب ہوتا ہے اور آپ اس کی دھوپ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کی دھوپ سے تو ہر مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔

قرآن پاک میں جب ہم انسان کا اور دوسری مخلوقات کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے نئے نئے علوم سیکھنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ یہ وصف صرف انسان میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان دوسری تمام مخلوقات سے اس لئے ممتاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایک اضافی صلاحیت رکھ دی ہے۔

وہ اضافی صلاحیت یہ ہے کہ اس صلاحیت سے آدمی نئے نئے علوم سیکھتا اور ایجادات کرتا ہے۔ کوئی بھی علم ہو، سائنس ہو، اردو ہو، دوسری کلاس پڑھی ہو، بی اے کیا ہو، ایم اے کیا ہوا۔ اس کی وجہ علم سیکھنے کی صلاحیت ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو غیب نہیں آتا یا غیب نہیں سیکھ سکتا۔ وہ عقل وشعور کے خلاف ہے۔

اگر ہم علوم سیکھنے کی صلاحیت کو استعمال کریں گے تو ہمارا شمار حیوانات میں تو ہو سکتا ہے۔ انسانوں میں نہیں ہو سکتا۔ محلہ میں ایک ہزار آدمی رہتے ہیں اور اسی محلے میں دو آدمی Ph.D ہیں۔ ظاہر ہے ایک ہزار آدمی کی حیثیت ان دو Ph.D کے مقابلے میں کم ہے۔ علمی اعتبار سے ہمیشہ ان دو افراد کو فضیلت حاصل ہو گی۔ اس طرح چار بھائی ہیں۔ تین بھائی جاہل ہیں ایک بھائی پڑھ لکھ گیا تو اس گھر میں علمی اعتبار سے ایک بھائی کو فضیلت حاصل ہو گی۔ انسان کی فضیلت علم کی بنیاد پر قائم ہے۔

حضرت جبرائیلؑ

سیدنا حضور ﷺ کے پاس حضرت جبرائیلؑ غار حرا میں تشریف لائے اور فرمایا

"اقراء باسم ربک الذی خلق"

دیکھیں نبی آخر الزماں ﷺ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات بنائی جو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ بزرگ بندے اور پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ وہاں بھی علم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

"اقراء باسم ربک الذی خلق"

پڑھ اپنے رب کے حکم سے۔ (سورۃ العلق۔ آیت ۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ محبوب بندہ جس کے لئے ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان (ﷺ) کو بھی علم سکھایا۔ اسی طرح جتنے بھی پیغمبران علیہم السلام ہیں۔

قرآن، توریت، زبور، انجیل دوسری کتابیں صحیفے یہ سب علم ہیں۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے

”ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم سیکھنا فرض ہے۔“

ان تعلیمات کی وجہ سے مسلمانوں نے ترقی کی۔ مسلمانوں نے ساری دنیا پر حکمرانی کی ہے۔ مسلمانوں نے جو سائنسی ایجادات اور ترقی کی وہ چھپی ہوئی نہیں ہے۔

لیکن جیسے جیسے حضور پاک ﷺ کے دور سے دور ہوتے گئے۔ اغیار کی سازش سے اور اپنی لاپروائی یا سستی اور کاہلی سے ہم علم سے دور ہوتے چلے گئے۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ جو ہمارے اسلاف ساری دنیا پر حکمرانی کرتے تھے۔ آج ہم اور ہمارے اسلاف ان ہی کے غلام ہیں جو کل ہمارے محکوم تھے۔ اگر ہمیں اپنی نسل کو پروان چڑھانا ہے اگر ہمیں دوبارہ اقتدار اعلیٰ حاصل کرنا ہے۔ اگر ہمیں غلام اور محکوم بن کر زندہ نہیں رہنا ہے تو ہمیں کیا کرنا ہو گا؟

غیر مسلموں کا تسلط مسلمانوں کے اوپر کیوں ہے؟

علم کی وجہ سے۔

ہمارے پاس تو اللہ تعالی کی دی ہوئی کتاب (قرآن پاک) ہے۔ جس میں وہ تمام علوم ہیں جن کی بنیاد پر ہم سرخرو ہو سکتے ہیں اور تمام دنیا پر ہماری حکمرانی قائم ہو سکتی ہے۔

کائنات کے تسخیری فارمولے قرآن پاک میں موجود ہیں۔ کس طرح زندہ رہیں۔ اس کے تمام طریقے موجود ہیں، کھانے کے آداب، پانی پینے کے آداب، کاروبار کرنے کے آداب، دوستوں کے حقوق، رشتے داروں کے حقوق، کونسا ایسا شعبہ ہے جو قرآن پاک میں موجود نہیں ہے۔

قرآن کا مطلب کیا ہے؟

قرآن کا مطلب ہے کہ قرآن اللہ تعالی کے علوم کی ایک دستاویز ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے کہ جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔ انسان اس بنیاد پر بھیڑ بکری سے افضل نہیں ہے کہ اس کے اندر عقل ہے بلکہ انسان بھیڑ، بکریوں سے اس لئے افضل ہے کہ اس کے اندر علوم سیکھنے اور عمل کرنے کی صلاحیت ہے۔

ڈائری

اتوار ۳ اپریل کو حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے لطیف آباد، حیدر آباد میں سلسلہ عظیمیہ کے تحت ہونے والے خواتین کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔

دوران خطاب عظیمی صاحب نے فرمایا عورت ہو یا مرد تخلیق کے قانون کی رو سے دونوں کو فضیلت حاصل ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو تخلیق آگے نہیں بڑھتی۔ لیکن جسمانی ساخت کے فرق کے لحاظ سے کوئی عورت ہے اور کوئی مرد ہے۔ اس کے علاوہ عورت اور مرد دونوں کی جسمانی (مادی ساخت) کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اگر مادی جسم میں ''روح'' کام نہ کرے کیونکہ مرنے کے بعد جب ''روح'' بدن سے نکل جاتی ہے تو چاہے عورت کا جسم ہو یا مرد کا جسم ہو (دونوں بے کار ہو جاتے ہیں)۔

اصل چیز ''روح'' ہے اور روح وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے میں پھونکی ہے۔ الغرض عورت ہو یا مرد یا کائنات کا کوئی بھی مذکر ہو یا مونث وہ اس لئے موجود ہے کہ کائنات میں تخلیق کا عمل جاری ہے۔

عورت اور مرد کی ذمہ داریاں الگ الگ ہیں اس وجہ سے جسمانی ساخت میں فرق ہے لیکن دونوں کو رتبہ اور فضیلت حاصل ہے۔ اس کی واضح مثال قرآن پاک میں ملتی ہے کہ کہیں بھی مردوں کا ذکر آیا ہے وہاں عورتوں کا ذکر بھی ہے۔ مثلاً سورۃ احزاب کی پینتیسیوں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

''بے شک نیک کام کرنے والے مرد اور نیک کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور رست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

ماں کی محبت

''ہم نے رحم مادر میں حسین تصویریں بنائیں۔'' (سورۃ آل عمران۔ آیت ۶)

یعنی ماں کے پیٹ کے اندر ایک ایسی ڈائی فٹ کر دی کہ اس میں ماں کے خون سے خوبصورت تصویر (بچہ) بنی۔ اس کے علاوہ اس حدیث مبارک سے بھی ماں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ماں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ

"عورت اور مرد دونوں "نفس واحدہ" سے تخلیق کئے گئے ہیں۔" (سورۃ اعراف۔ آیت ۱۸۹)

انسان اپنے اعمال ہی کی وجہ سے ولی اور شیطان بن جاتا ہے۔ مردوں کی برتری ثابت کرنے والے لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں پر وحی نہیں ہوئی لیکن اگر غور کیا جائے اور لفظ وحی کی تشریح کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وحی تو بی بی مریمؑ پر بھی نازل ہوئی ہے۔ جب فرشتے نے انہیں آکر کہا کہ "اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارے یہاں بیٹا پیدا ہو۔"

حضرت بی بی ہاجرہؑ بھی ایک عورت تھیں اور ان کے دوڑنے کے عمل کو تا قیامت حاجیوں کیلئے فرض کر دیا گیا کہ جب تک حاجی صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کرینگے ان کا حج پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح خواتین کے قصے قرآن پاک میں موجود ہیں۔ المختصر یہ کہ ہر اچھے عمل کی جزا اور ہر برے عمل کی سزا عمل کرنے والے کو ملتی ہے اب چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

خواتین کے پیچھے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ خواتین نے اس طرف دھیان نہیں دیا کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے خواتین کو کتنے حقوق عطا فرمائے ہیں۔ اب خواتین نے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنا سیکھ لیتا ہے تو اس وقت کئی خواتین مختلف ممالک کی وزرائے اعظم ہیں۔ بہت سے گھر ایسے ہیں جہاں شوہروں کے مقابلے میں بیویاں زیادہ پڑھی لکھی اور ہنر مند ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اتوار ۱۷ اپریل مراقبہ ہال حیدر آباد میں عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عید ملن پارٹی کے شرکاء سے قرآن میں تفکر کے موضوع پر عظیمی صاحب نے فرمایا:

"یہ کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے بنائی ہے جس کی مثال یہ ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کی ضرورت کی تمام اشیاء اس دنیا میں پہلے سے موجود ہوتی ہیں اور اس کی غذا کا انتظام بھی پہلے سے اس کی ماں کے دودھ کے ذریعے کر دیا جاتا ہے۔ جب انسان اس دنیا کو چھوڑتا ہے تو وہ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جاتا بلکہ یہ دنیا وہ دوسرے آنے والے یا پیدا ہونے والے بچے کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔"

حضرت عظیمی صاحب نے مزید بتایا کہ

"جب تک انسان اپنی روزی کی فکر نہیں کرتا اسے اللہ تعالیٰ فکر مند کئے بغیر کھلاتا بھی ہے، پہناتا بھی ہے اور پڑھاتا بھی ہے۔ لیکن جیسے ہی ایک بچہ سن شعور کو پہنچ کر سوچتا ہے کہ مجھے معاش کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے تو وہ خود اپنے لئے فکر اور پریشانی کی راہیں کھولتا ہے حالانکہ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس سے پہلے اس کی تمام ضروریات کیسے پوری ہوتی تھیں۔"

کوشش اور معاش کے حصول کیلئے جدوجہد کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ عمل وظیفۂ اعضاء ہے۔ انسان کی ساخت اس طرح ہے کہ اس کے اعضاء اور اعصاب مسلسل حرکت چاہتے ہیں۔

تجربہ شاہد ہے کہ بچے چھ ماہ کی عمر سے جدوجہد شروع کر دیتے ہیں۔ بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، بار بار گرتے ہیں، اٹھتے ہیں، پھر گرتے ہیں، اس عمل میں مسلسل حرکت میں رہتے ہیں۔ گھٹنوں سے چلتے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں، گرتے ہیں، پھر کھڑے ہوتے ہیں، پھر گرتے ہیں اور اس طرح اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سہارے سے چلتے ہیں اور بچوں کو چلانے کے لئے بہت ساری چیزیں بنائی جاتی ہیں تاکہ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں جیسے کہ گڈیلا وغیرہ۔

بچہ تقریباً دو سال کا ہو جاتا ہے تو مسلسل چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ گرتا ہے، اٹھتا ہے اور پھر چلتا ہے، اس طرح وہ بچپن سے نکل کر لڑکپن میں داخل ہو جاتا ہے۔ لڑکپن میں بھی زمین پر چلنے کی مشقت جاری رہتی ہے لیکن بچہ اس کو مشقت نہیں سمجھتا۔ بڑا ہو کر اسکول جاتا ہے۔ اسکول کی لائف میں اعصاب اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ کالج کے ماحول سے روشناس ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک باشعور آدمی بن جاتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ پیدائش کے بعد سے ۲۰ سال کی عمر تک بچہ کی زندگی مسلسل حرکت اور جدوجہد ہے اور اس حرکت اور جدوجہد کے نتیجے میں بچہ باشعور اور صاحب عقل و فہم بن جاتا ہے۔ اس ساری روداد کا مفہوم یہ ہے کہ ”انسانی زندگی مسلسل حرکت کا نام ہے۔ حرکت نہیں ہوگی بچے کے اعضاء صحتمند نہیں ہونگے اور بچہ دس سال کی عمر میں بھی پالنے میں رہنے والا بچہ شمار ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آدمی حرکت میں رہے۔ اس لئے کہ ساری کائنات حرکت اور مسلسل حرکت ہے۔ رزق کے حصول کے لئے محنت اور جدوجہد کرنا اس لئے ضروری ہے کہ حرکت کے بغیر اعضاء مضبوط اور متحرک نہیں رہتے۔ رزق کی تلاش ہر مخلوق کرتی ہے۔ چوپائے، چرند پرند، حشرات الارض سب محنت کرتے ہیں اور اس محنت کے نتیجے میں ان کی ذہنی اور جسمانی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔

حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ

انسان کے اختیارات اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کے بارے میں خواجہ صاحب نے حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کے قصے سے مثال دے کر سمجھایا کہ کس طرح فرشتے انسان کے لئے مسخر ہیں۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ اپنے گھر میں موجود تھے کہ باہر دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ ان کے صاحب زادے نے کھولا۔ دیکھا تو باہر ایک بزرگ کھڑے تھے۔ بزرگ نے ایک رقعہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ اپنے والد صاحب کو دے دو۔ چنانچہ انہوں نے وہ رقعہ لے کر والد محترم کو دے دیا۔ ان کے والد نے اسے کھول کر پڑھا اور بیٹے سے فرمایا کہ ان سے عرض کرو کہ آدھے گھنٹے بعد آئیں۔ بیٹے نے جا کر بزرگ کو اپنے والد کا پیغام پہنچادیا۔ ہوا یوں کہ آدھے گھنٹے تک ان کے والد نے مختلف ضروری کام کاج کئے اور پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کے بیٹے کو اس خط کا خیال آیا جو بزرگ نے دیا تھا۔

صاحب زادے نے اپنے والد کے تکیے کے نیچے سے وہ رقعہ نکال کر پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد فرمایا ہے، میرے لئے کیا حکم ہے؟"

عزرائیل (ملک الموت)

اکیڈمی میں ورکشاپ

ممتاز روحانی اسکالر حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ان دنوں برطانیہ کے دورے پر ہیں۔ اس ورکشاپ کی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے ورکشاپ کے لئے برطانیہ سے بذریعہ Fax خصوصی پیغام بھیجا۔ کلاس سوئم کے طالب آغا منصور الحسن اسسٹنٹ ڈائریکٹر اسٹیٹ بینک نے یہ پیغام پڑھ کر سنایا۔

حضرت عظیمی صاحب نے فرمایا۔۔

خالق کی آواز گونج رہی ہے۔۔۔ الست بربکم۔۔۔ میں تمہارا رب ہوں۔۔۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۷۲)

خالق کائنات کی آواز اجزائے کائنات میں منتقل ہو گئی ہے اپنے اندر، اپنے من میں، خالق کی صدا کی گونج سنو۔۔۔ رب۔۔۔ رب کا مطلب ہے پالنے والا۔ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی نے اپنا تعارف رب کی حیثیت سے کرایا ہے۔ ہر لمحہ، ہر آن صفت ربانیت کا ظہور ہو رہا ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ اپنے پالنے والے سے واقف ہے۔ اس کا تابع فرمان ہے۔

تابع فرمان، ذرات سے مرکب، اے انسان! دیکھ اور تفکر سے کام لے۔ ازل میں فرمایا ہوا لفظ "کن" اجزائے کائنات کے لئے آج بھی حکم کا وہی درجہ رکھتا ہے جو کائنات کی ابتداء کے پہلے روز تھا۔ کائنات پھیل رہی ہے۔ کن کی صدا گونج (Echo) رہی ہے۔ کہکشاؤں کی جھرمٹ کے درمیان خلاء پھیل رہا ہے۔

سائنس کہتی ہے کہ مادہ کثیف حالت میں گندھا ہوا تھا اور اس کا درجہ حرارت کروڑوں ڈگری (Farenheit) تھا۔ بہت پہلے کہکشائیں ایک دوسرے کے قریب تھیں اور کائنات ایک نقطہ میں مرکوز تھی پھر ایک عظیم دھماکہ ہوا۔ کثیف دہکتی ہوئی اور گرم کائنات میں یکایک چکاچوند روشنی ہوئی اور یہ روشنی کائنات کے افراد بن گئی۔

"خدا نے کہا روشنی۔۔۔ اور روشنی ہو گئی۔" (انجیل)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

"اللہ تعالیٰ روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی۔" (سورۃ النور۔ آیت ۳۵)

سائنسدان یہ سمجھتا ہے کہ جو چیز عقل سے ثابت نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ سائنسدان کائنات کے پھیلاؤ اور کہکشاؤں کے درمیان رفتہ رفتہ بڑھنے والے فاصلے کو تو تسلیم کرتا ہے لیکن کائنات کے وجود کو ایک مربوط نظام میں تخلیق کرنے والی ہستی خالق کی پہچان کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔

کائنات ہر لمحہ حرکت اور تغیر کا نام ہے۔ ایسی حرکت جس میں ایک قاعدہ ہے۔ ایسا تغیر جس میں نظم وضبط ہے۔ آغاز سے پہلے کوئی طاقت نہیں ہوتی تو یہ مربوط نظام کیسے قائم رہتا؟ شیر کے ہاں انسان اور انسان کے ہاں بکری پیدا ہوتی۔ گائے کے بطن سے کبوتر جنم لیتا اور امرود کے درخت سے کبھی سیب اترتے تو کبھی ناشپاتی۔

زمین اور آسمان

کائنات کا مربوط نظام ہی ہمیں بے عقلی سے عقل کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سفر میں اعتدال، توازن اور رہنمائی نہ ہو تو عقل ذہنی عذاب بن جاتی ہے۔

ایسا نظر آ رہا ہے کہ دانشور ایک دن یہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا کہ کائنات کے آغاز سے پہلے کیا تھا؟ دانشور ایک روز اس حقیقت تک پہنچ جائے گا کہ کہکشانی نظام، بے شمار زمینیں اور زمینوں کے اوپر بے شمار نوعیں اور انسانی شماریات سے زیادہ نوعوں کے افراد اور کائنات کے دیگر افراد کی پلاننگ اور ڈیزائننگ کس نے کی ہے۔۔۔ یہ اس لئے ہو گا۔۔۔ اور یقیناً ہو گا کہ دانشور قرآن کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔

زمین اور آسمان کی ماہیت کیا ہے؟۔۔۔

آسمان بغیر ستون کے کیسے قائم ہے؟۔۔۔

زمین کا بچھونا کس طرح بچھا ہوا ہے؟۔۔۔

زمین سخت بھی ہے، زمین نرم بھی ہے، نہ اتنی نرم ہے کہ آدمی اس کے اندر دھنس جائے، نہ اتنی سخت ہے کہ آدمی کا چلنا پھرنا محال اور مشکل ہو جائے۔ زمین کے اندر معدنیات اور نباتات کی تخلیق کس طرح ہو رہی ہے؟۔۔۔ یہ مرحلہ بھی تحقیق ہو جائے گا۔ دانشور دیکھتا ہے کہ زمین ایک ہے۔ پانی ایک ہے۔ چاند کی چاندنی بھی ایک ہے لیکن یہی پانی جب زمین کے اندر سے پودوں اور درختوں کی رگوں میں دوڑتا ہے تو کہیں پھول بن جاتا ہے۔ کہیں آم بن جاتا ہے۔ کہیں انار کا روپ دھار لیتا ہے۔ دانشور علت و معلول کی پیچیدہ گتھی سلجھانے کے لئے سوچتا ہے کہ کائنات کے آغاز سے پہلے کیا تھا؟ سائنسدان تحقیق و تلاش میں سرگرداں ہے کہ

۱۔ سیاروں اور ستاروں کی پیدائش۔۔۔

۲۔ ستاروں پر زندگی کے کیمیائی اثرات۔۔۔

۳۔ کرۂ ارضی پر بلکہ بے شمار کرہ ارضی پر زندگی کا ظہور۔۔۔

۴۔ انسانی اور حیوانی تخلیق۔۔۔

۵۔ کہکشانی لہروں کا ایک دوسرے کے ساتھ ملنا اور دور کرنا۔۔۔

۶۔ تابکاری جوہری تقسیم و تحلیل کا جب وہ مطالعہ کرتا ہے تو اس کے اندر یقین کا ایک دروازہ کھلتا ہے اور یقین کے اس دروازے سے گزر کر جب مشاہدات کی دنیائیں اس کے سامنے آتی ہیں تو وہ یہ کہنے پر خود کو مجبور سمجھتا ہے کہ کائنات کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ انسانی شعور بھی بالغ ہو رہا ہے۔

انشاء اللہ ایک دن یہ ہم آہنگی اسے اپنے اندر مخفی حقیقت سے آشنا کر دے گی۔ دانشور صدیوں کا سفر طے کر کے جس حقیقت تک رسائی حاصل کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اس حقیقت سے متعارف ہوتے ہیں۔

اس لئے متعارف ہیں کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرز فکر اور ان کے علوم کے حامل ہیں۔ کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں میں تفکر ان کا شعار ہے۔ تفکر سیدنا حضور ﷺ کی سنت ہے۔ قرآن حکیم مختلف حوالوں سے ہمیں کائنات اور اجزائے کائنات میں تفکر کی دعوت دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے۔۔۔

"ہم نے اس کا سمجھنا آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا؟" (سورۃ القمر۔ آیت ۴۰، ۳۲، ۲۲، ۱۷)

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے مشن کے لئے خود کو نثار کرنے والے دوستو!

جس طرح روز ازل میں اللہ تعالیٰ کی آواز سن کر، اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر، خالق اور مخلوق کے رشتے سے آشنا ہو کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ خالق کی پکار کا جواب دیا تھا۔ اسی طرح قرآن کی دعوت پر لبیک کہو۔ یقین سے اس بات کا عہد کرو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں تفکر کرنا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام اور ان کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کرنا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی نسبت سے رحمت اللعالمین سیدنا حضور ﷺ کا قلبی اور باطنی تعارف حاصل کرنا ہے۔ غم و آلام اور مصیبتوں پریشانیوں کا شکار نوع انسانی کو بے یقینی اور شک اور وسواس کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سکون قلب

سے، راحت سے، آرام سے، خوشی سے ہمکنار کرنا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ قلندر شعور اکیڈمی نے میرے عظیمی بچوں کے اندر غور وفکر اور تفکر کے پیٹرن کو ابھارنے کے لئے ورکشاپ کا انعقاد کیا ہے۔ بلاشبہ قلندر شعور اکیڈمی کی انتظامیہ اس سلسلے میں مبارکباد کی مستحق ہے۔ میں اکیڈمی کی پرنسپل محترمہ زینب اشرفی صاحبہ کو اس بات کی مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن خوبی نبھایا ہے۔

ورکشاپ کے سلسلے میں محترم انعام عظیمی کی محنت اور ایثار سے مجھے خوشی حاصل ہوئی اور میں خوش ہوں کہ انہوں نے اور اکیڈمی کے دیگر اساتذہ کرام جناب نور عالم اور جناب سہیل احمد نے جانفشانی، محنت اور توجہ سے طالب علموں کے اندر علمی ذوق اور شوق پیدا کر دیا ہے۔

آپ سب عظیمی میری روحانی اولاد ہیں۔ تمام طالبات اور طلباء نے اساتذہ کرام نے، اپنے طرز عمل سے مجھے خوشی دی ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ آپ سورج بن کر دھوپ کی طرح زمین کو روشن کریں۔ چاند کی چاندنی کی طرح نوع انسانی کو سکون پہنچائیں۔ آسمان پر چمکتے ستارے بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا نگہبان ہو، آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی چادر ڈھانپے رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی نسبت آپ کے اوپر محیط ہو اور رسول اللہ ﷺ آپ سے راضی ہوں۔ (آمین)

ورد اور وظائف

سوال

مسائل کے حل کے سلسلے میں آپ طب یونانی، نفسیات، مابعد نفسیات، طبیعیات اور روحانیت کا تذکرہ کرتے ہیں اور ورد وظائف سے مسائل کا حل بھی بتاتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ ورد و وظائف سے شعور متاثر ہوتا ہے۔ زیادہ ورد و وظائف سے دماغ کے خلئے متاثر ہو جاتے ہیں؟

ا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر انسان بیمار ہو جائے؟

۲۔ جب ورد و وظائف نقصان پہنچاتے ہیں تو آپ خود ورد و وظائف کیوں بتاتے ہیں؟

۳۔ کیا آپ کی تحریر سے یہ تاثر قائم نہیں ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا سہارا لینے سے انسانی دنیاوی مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے؟

جواب

اگر کوئی مریض تین چار ڈاکٹروں سے بیک وقت علاج کرائے اور ہر ڈاکٹر الگ الگ دوا تجویز کرے یا مریض کتابوں میں پڑھ کر خود اپنے لئے بہت سی دواؤں کا انتخاب کر کے انہیں استعمال کرنا شروع کر دے۔ ایسی صورت میں مریض کو فائدہ ہو گا یا نقصان؟

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔

"اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو۔ فانوس جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑک پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے، روشنی پر روشنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے، وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے، وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔" (سورۃ النور۔ آیت ۳۵)

آواز روشنی ہے

آیات مقدسہ ہمیں بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہر چیز روشنی ہے۔ کوئی حرف اور لفظ روشنی کے اس ہالے سے باہر نہیں۔ آواز الفاظ کو لہروں کے ذریعے ہمارے کانوں تک پہنچاتی ہے۔ سائنس دان بتاتے ہیں کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ ہے۔

کوئی وظیفہ ہو یا عمل، روشنیوں کے تانے بانے سے مرکب ہوتا ہے۔ ان میں روحانی طاقت کام کرتی ہے اور روحانی قوت براہ راست انسان کے ذہن کو متاثر کرتی ہے اور یہ تاثر ایک کردار ادا کرتا ہے۔

مثال

مقدار میں اگر توازن نہ ہو تو دوا فائدہ پہنچاتی ہے اس سے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ وظیفہ میں چونکہ روشنیوں کا عمل دخل ہوتا ہے اور روشنیاں مقداروں پر قائم ہیں۔ مقدار میں توازن ضروری ہے آتش بازی کا تعلق بھی مقداروں سے ہے۔ ایک قسم کا توازن پھلجڑی کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے اور دوسری قسم کا توازن جسے ہم ایٹم بم کہتے ہیں اس کا مظاہرہ ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ سمجھے بغیر کہ انسان میں روشنیاں قبول کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ اس کے لئے کوئی عمل یا وظیفہ تجویز کر دیا جائے تو یہ عمل نقصان کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔

غور فرمایئے! ذہن انسانی پر اگر اتنا وزن ڈال دیا جائے کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں متاثر ہو جائیں، ایسی حالت میں وسائل کے حصول میں جتنی بھی کوششیں ہوں گی اس کا نتیجہ برعکس ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ قانون کے تحت ہر وظیفہ میں الگ الگ مخصوص قسم کی لہریں کام کرتی ہیں اور یہ لہریں انسانی ذہن میں ایسے تاثرات قائم کرتی ہیں جو وسائل کے حصول اور بیماریوں سے نجات دلاتے ہیں۔ لیکن اگر اس میں عدم توازن پیدا ہو جائے تو صورتحال بدل جاتی ہے۔

مسلسل اور بہت سارے وظائف پڑھنے سے ذہن میں روشنیوں کا ذخیرہ ہو جاتا ہے اور اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وسائل اور صحت کے حصول میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ میں جب کسی سائل کے لئے وظیفہ یا کوئی عمل تجویز کرتا ہوں تو یہ دیکھتا ہوں کہ وظیفے کے الفاظ میں روشنی کی کتنی مقدار کام کر رہی ہے اور مریض میں ان کو برداشت کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ فقیر اپنی تحریر میں اس بات کو ہمیشہ اولیت دیتا ہے کہ قانون قدرت سے علاج اور مشورہ ہم رشتہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کا سہارا لینا ہمارا دین ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ہم بغیر جانے بوجھے معاشی وسائل کے حصول اور بیماریوں سے نجات پانے کے لئے جو چاہیں پڑھتے رہیں۔ ہمارے لئے یہی صراط مستقیم ہے کہ ہم اپنی زندگی قانون فطرت کے مطابق بسر کریں۔ ارکان اسلام کو پورا کریں اور دماغی صلاحیتوں کے مطابق ہاتھ پیروں کے عمل کے ساتھ ساتھ قادر مطلق اللہ

تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔ نماز کی پابندی کریں۔ قرآن ترجمہ کے ساتھ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وظیفۂ اعضاء پورا کریں۔

نگینوں سے علاج

سوال

انگوٹھی میں نگینہ پہننے سے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"اللہ تعالیٰ سماوات اور زمین کا نور ہے۔" (سورۃ النور۔ آیت ۳۵)

اس آیت میں نور کی پوری تشریح کی گئی ہے۔

آیت مقدسہ کی تشریح کے پیش نظر آسمان اور زمین روشنی ہے یعنی آسمان اور زمین میں موجود ہر شئے کا قیام نور (روشنی) پر ہے۔ کائنات میں کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو روشنی کے ہالے سے باہر ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔۔۔

"کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔" (سورۃ الحجر۔ آیت ۲۱)

روشنی کی یہ الگ الگ مقداریں انفرادیت پیدا کرتی ہیں۔ روشنی جب دماغ پر نزول کر کے بکھرتی ہے تو اس میں رنگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ رنگوں کی یہ لہریں تخلیق میں وولٹیج (Voltage) کا کام کرتی ہیں۔ کوئی انسان سنکھیا کھا کر اس لئے مر جاتا ہے کہ سنکھیا کے اندر کام کرنے والے برقی نظام کا وولٹیج (Voltage) انسان کے اندر کام کرنے والے وولٹیج (Voltage) سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

نگینہ یا پتھر کے اندر بھی روشنی دور کرتی ہے۔ اگر کسی انسان کی روشنیاں اور پتھر کی روشنیاں باہم مطابقت رکھتی ہیں تو جواہرات انسان کے لئے مفید ہوتے ہیں۔ جواہرات کی روشنیاں اور انسان کے اندر دور کرنے والی روشنیاں باہم دیگر مل کر ایک طاقت بن

جاتی ہیں۔ پتھر (جواہرات) میں کام کرنیوالی روشنیاں براہ راست دماغ کو تقویت دیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان کی بہت سی چھپی ہوئی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔

عام مشاہدہ ہے کہ کوئی محلول جسم پر لگانے سے کھال جل جاتی ہے اور کوئی دوسری چیز جسم پر ملنے سے ہمیں راحت ملتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارے جسم پر کوئی چیز رکھی جاتی ہے تو ہمارا ہاتھ کسی چیز سے چھوتا ہے تو اس چیز کے اندر کام کرنے والی لہریں ہمارے دماغ کو متاثر کرتی ہیں۔

یہی صورت نگینہ اور پتھر کی ہے۔ انگوٹھی میں کوئی نگینہ یا پتھر انگلی میں ہوتا ہے تو جواہرات کے اندر کام کرنے والی روشنیاں دماغ کو متاثر کرتی ہیں۔

تقدیر کیا ہے؟

ہر انسان کے اندر دو تقدیریں کام کرتی ہیں۔

۱۔ تقدیر معلق

۲۔ تقدیر مبرم

تقدیر معلق میں آدمی کے اختیار کا عمل دخل ہے اور مبرم میں اختیار حاصل نہیں ہے۔ انسانی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہر آدمی دو رخوں پر زندگی گزارتا ہے۔ مثلاً ہر انسان کو بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، ہر انسان گرمی سردی سے متاثر ہوتا ہے۔

مثال

بندہ کھائے پیئے بغیر زندہ نہیں رہتا۔ سونا جاگنا بھی مخلوق کی مجبوری ہے۔ لیکن کھانا کتنا کھائے، پانی کتنا پیئے، کتنی دیر سوئے، یہ تقدیر معلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم کھائے پیئے بغیر زندہ نہیں رہتے لیکن کھانے پینے میں کمی بیشی کرنے کا ہمیں اختیار ہے۔ اللہ رب العالمین کو تسلیم کرنا تقدیر مبرم ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتا ہے تو انکار بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ہستی ہے جس کا انکار کیا جارہا ہے۔ اگر ہستی نہ ہو۔۔۔ تو انکار اور اقرار دونوں زیر بحث نہیں آتے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد

حضرت علیؓ کا مشہور واقعہ ہے۔ کسی نے سوال کیا تقدیر کیا ہے؟ اور تقدیر پر انسان کا کتنا اختیار ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا:

"ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جا۔"

وہ شخص جب ایک ٹانگ پر کھڑا ہو گیا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

"دوسری ٹانگ بھی اٹھا۔"

اس شخص نے کہا۔ "گر جاؤں گا۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ''دونوں ٹانگوں پر کھڑے رہنا اختیاری عمل ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں کھانے پینے کے لئے دی ہیں۔ ان میں سے سب چیزیں استعمال کرنا یا کوئی ایک چیز زیادہ دوسری چیز کم استعمال کرنا تقدیر معلق ہے۔۔۔ لیکن کچھ کھانا اور ضرور کھانا تقدیر مبرم ہے۔ کھائے بغیر آدمی زندی نہیں رہ سکتا اور کتنی مقدار میں کھانا اور کیا کھانا تقدیر معلق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب ''کن'' فرمایا تو ساری کائنات تخلیق ہو گئی۔

فرشتے، جنات اور آدمؑ

فرشتے اور فرشتوں کی چار نوعیں

۱۔ فرشتے

ملاءِ اعلیٰ۔ ملائکہ روحانی۔ ملائکہ سماوی۔ ملائکہ عنصری

۲۔ جنات اور جنات کی دنیا

جنات۔ جنات کے حیوانات۔ جنات کی دنیا میں جمادات۔ جنات کی دنیا میں نباتات

۳۔ (موالید ثلاثہ)

حیوانات میں آدمی، چوپائے، پرندے شامل ہیں۔ اس بات کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ کائنات میں تین نوعوں کی مخلوق موجود ہے۔

۱۔ فرشتے

۲۔ جنات

۳۔ آدمی

جس طرح آدمی کے اندر روح کام کرتی ہے اور زندگی کا دارومدار روح پر ہے۔ کائنات میں کوئی تخلیق روح کے بغیر نہیں ہے۔ ہر تخلیق کی اصل ''روح'' ہے۔

جس طرح تین تخلیقات فرشتے، جنات اور حیوانات (آدمی) کائنات میں موجود ہیں۔ بالکل اسی طرح دوسرے سیاروں میں آدمی، جنات اور فرشتے موجود ہیں۔

انسان اور موالید ثلاثہ

جنات اور انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے دونوں مخلوقات میں روحانی علوم سیکھنے کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے۔ لیکن انسان میں روحانی علوم سیکھنے کی اضافی صلاحیت موجود ہے۔

سلطان

دنیا عجائبات کی دنیا ہے، زمین میں درخت اگتے ہیں۔ باغات ہیں، پہاڑ ہیں، نخلستان ہیں، نباتات ہیں، پھول ہیں، پھولوں کا رس چوسنے والی شہد کی مکھیاں ہیں، تتلیاں ہیں، پرندے ہیں، حشرات الارض ہیں، چوپائے ہیں، کھیتیاں ہیں، کھیتیاں پکانے والا سورج ہے، پھلوں میں مٹھاس پیدا کرنے والی چاندنی ہے، پانی ہے، ہوا ہے، سمندر ہے، سمندر کی مخلوق ہے، دریا ہیں، نہریں ہیں، تالاب ہیں، زمین کو روشن کرنے والا قندیل چاند ہے، بروج ہیں، ستارے ہیں، سیارے ہیں، کہکشانی نظام ہیں، فرشتے ہیں، جنات ہیں اور انسان ہیں۔

غور کرنے سے یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ آگ، ہوا، مٹی اور پانی سے نئی نئی مخلوقات پیدا ہو رہی ہیں۔ مٹی سے اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوقات پیدا کی ہیں۔ جتنی بھی مخلوقات ہیں ان میں زندگی کا ایک اہم عنصر پانی ہے۔

بے شمار مخلوقات زمین پر موجود ہیں۔ ہر نوع الگ الگ شکل وصورت ہونے کے باوجود اعمال و حرکات، نشوونما اور زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لئے آپس میں اشتراک رکھتی ہے۔ دو پیروں سے چلنے والا آدمی، چار پیروں سے چلنے والے چوپائے، دو پیروں سے چلنے والے پرندے، ایک پیر پر کھڑے ہونے والی مخلوق (درخت) رینگنے والے حشرات الارض، خوردبین سے نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی مخلوق زمین پر موجود ہیں۔ ہر مخلوق الگ نوع ہے۔ اور ہر نوع ایک مخلوق ہے۔ جسمانی اعتبار سے، صورت کے اعتبار سے، چلنے، اڑنے اور رینگنے کے اعتبار سے ہر مخلوق اپنی ایک حیثیت رکھتی ہے۔

کائنات میں ہر نوع اور نوع کا ہر فرد زندگی گزارنے کے لئے دو رخوں کا محتاج ہے۔ ایک رخ مادی ہے اور دوسرا رخ اس مادی وجود کی حفاظت کرنے والا سلطان ہے۔

”اے گروہ جنات و انسان! اگر تم طاقت رکھتے ہو یہ کہ نکل جاؤ آسمان اور زمین کے کناروں سے۔۔۔ تو نکل جاؤ۔۔۔ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔“ (سورۃ الرحمٰن۔ آیت ۳۳)

زمین پر موجود مخلوق ہمیں نظر آتی ہے لیکن سلطان ہمیں نظر نہیں آتا۔ ہر شخص اس بات سے واقف ہے اور اس کے تجربے میں ہے کہ ظاہر وجود کی حرکات و سکنات سلطان کے تابع ہیں۔ ہر مخلوق دو رخوں پر قائم ہے۔

دو رخوں سے مراد ہے کہ ایک رخ جسمانی اعضاء ہیں اور دوسرا چھپا ہوا رخ جسمانی اعضاء کو سنبھالنے والا رخ ہے۔ جس کو مذہب نے سلطان کا نام دیا ہے۔ جب تک جسمانی اعضاء میں حرکت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطان نے جسم کو سنبھالا ہوا ہے یا جسمانی حرکات اعمال اور افعال سلطان کے تابع ہیں۔ جسمانی وجود میں ہر قسم کی حرکات و سکنات سونا، جاگنا، کھانا، پینا، سانس لینا، غور و فکر کرنا، خوش یا غمگین ہونا، تقاضے پورا کرنا اس وقت ممکن ہے جب جسم میں سلطان موجود ہو اور سلطان جب اس جسم سے رشتہ توڑ لیتا ہے تو مادی وجود کی حرکات و سکنات ختم ہو جاتی ہیں اور نتیجہ میں جسمانی اعضاء ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتے ہیں اور بکھرنے کے بعد جب مزید شکست و ریخت ہوتی ہے تو مٹی کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔

زندگی میں خیالات بنیاد ہیں۔ خیالات کا آنا بند ہو جائے تو آدمی مر جاتا ہے۔ مرنے کے بعد انسان ہو، حیوان ہو یا کوئی بھی مخلوق ہو، جسمانی اعضاء موجود ہونے کے باوجود ان کے اندر حرکت نہیں ہوتی۔ آدمی جب زندہ ہوتا ہے یا کوئی بھی مخلوق زندہ ہوتی ہے جسمانی اعضاء ہر عمل سے متاثر ہوتے ہیں۔

مثلاً پیر کے انگوٹھے میں سوئی چبھوئی جائے ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں دماغ اس بات کو محسوس کر لیتا ہے کہ پیر میں کوئی چیز چبھی ہے۔ کسی آدمی سے ناگوار بات کی جائے تو اس کا دماغ متاثر ہوتا ہے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔

آدمی کو بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، گرمی، سردی کا احساس ہوتا ہے، کوئی بات ناگوار گزرتی ہے اور کسی بات سے وہ خوش ہو جاتا ہے۔ رد عمل کے طور پر اس کی حرکات و سکنات خوش گوار اور ناگوار عمل میں محسوس ہوتی ہیں اس کے برعکس مردہ جسم میں کوئی رد عمل نہیں ہوتا۔

کیوں رد عمل نہیں ہوتا؟

اس لئے رد عمل نہیں ہوتا کہ رد کرنے یا قبول کرنیوالی ایجنسی (Agency) جو انسان اور دوسری مخلوقات کو متحرک کئے ہوئے ہے۔ وہ مادی زندگی سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے۔

مثال

ایک سرجن دل کا آپریشن کرتا ہے، دوسرا سرجن دماغ کا آپریشن کرتا ہے، تیسرا معالج بیماریوں کا علاج کرتا ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب آدمی زندہ ہو اور جسم کو سلطان نا صرف یہ کہ سنبھالے رکھے بلکہ اس کی حفاظت بھی کرے۔

کتاب لوح و قلم میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا ہے

"اگر ہمیں کسی چیز کا خیال آتا ہے تو وہ چیز ہمارے لے موجود ہے اور اگر ہمیں اپنے اندر کسی چیز کے بارے میں اطلاع نہیں ملتی یا کسی چیز کے بارے میں خیال نہیں آتا تو وہ چیز ہمارے لئے موجود نہیں۔"

ایک فرد واحد بھی خیال آئے بغیر کوئی کام نہیں کرتا اگر کوئی شخص مصور ہے تو مصور بننے سے پہلے لازماً اس کے دماغ میں یہ خیال بار بار آتا ہے کہ مجھے تصویر بنانی ہے۔ دنیا میں بے شمار شعبے ہیں مثلاً درزی کا شعبہ ہے، برتن بنانے کا شعبہ ہے، ہوائی جہاز بنانے کا شعبہ ہے، موبائل، سٹیلائٹ کا شعبہ ہے۔ جتنے بھی شعبے ہیں وہ اس وقت تک قائم ہیں جب تک ان شعبوں کی اطلاع کوئی فرد قبول کرتا ہے۔ خیال آئے بغیر انسان یا حیوان کوئی عمل نہیں کر سکتا جس طرح انسانوں کو پیاس لگتی ہے۔ پیاس لگنے سے مراد یہ ہے کہ جسمانی اعضاء سیراب ہونا چاہتے ہیں تو انسان پانی کی طرف دوڑتا ہے اور یہ عمل صرف انسان کیلئے مخصوص نہیں ہے زمین پر موجود مخلوق میں مشترک ہے۔

انسان کو بھوک لگتی ہے یعنی مخلوق بشمول انسان کے اندر یہ تقاضہ پیدا ہوتا ہے کہ کچھ کھانا ہے، کچھ پینا ہے تاکہ زندگی رواں دواں رہے۔ جتنے بھی انسانی یا حیوانی تقاضے ہیں وہ سب زمین پر مخلوق میں موجود اور متحرک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا مادی وجود ذاتی کوئی حرکت نہیں رکھتا۔ خیال آتا ہے اس پر عمل ہو جاتا ہے۔ خیال نہیں آتا عمل نہیں ہوتا۔ نیند آتی ہے آدمی سو جاتا ہے، نیند پوری ہوتی ہے آدمی بیدار ہو جاتا ہے، نیند نہیں آتی آدمی نہیں سوتا۔ جسمانی تقاضے پورے کرنے کیلئے جس قدر عوامل ہیں وہ اسی وقت تک متحرک ہیں جب تک آدمی زندہ ہے۔ زندگی کے اعمال و افعال میں تمام مخلوق مشترک عمل کرتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ سلطان کے بغیر آدمی حرکت نہیں کرتا۔ مثلاً سلطان نہ ہو تو اسے بھوک نہیں لگتی، پیاس نہیں لگتی، راحت اور تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، قوت مدافعت نہیں ہوتی تو پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آدمی صرف جسمانی وجود کا نام ہے۔ جسمانی وجود کو جب تک سلطان نے سنبھالا ہوا ہے تو مخلوق کو چیونٹی کاٹنے کا بھی احساس ہے لیکن سلطان کے بغیر وہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے لیکن اس کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔

ہم آدمی کو کس طرح جانتے ہیں؟ اس طرح جانتے ہیں کہ "ہڈیوں کے ڈھانچے پر رگ، پٹھے، گوشت اور کھال سے بنا ہوا ایک مجسمہ ہے۔"

واضح الفاظ میں اس طرح سمجھئے کہ ہڈیوں کے اوپر رگ پٹھے ایک قسم کی پٹیاں ہیں۔ پٹیوں کے اوپر روئی رکھی ہوئی ہے اور روئی کے اوپر پلاسٹر چڑھا دیا گیا ہے۔ پٹیاں رگ پٹھے ہیں، روئی گوشت ہے اور کھال پلاسٹر ہے۔ لیکن ہڈیوں اور پٹھوں سے بنے اس پتلے کو حرکت دیتا ہے۔ سلطان اگر جسم سے رشتہ توڑ لے تو حرکت ختم ہو جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسم سلطان کے بغیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

جسم کے اوپر جب تک لباس ہے، لباس کی حرکت جسم کے تابع ہے اور جب لباس اتار دیا جاتا ہے تو لباس میں کوئی حرکت نہیں رہتی۔ قمیض، شلوار اور ٹوپی کو ایک جگہ اس طرح رکھ دیا جائے کہ یہ گمان ہو کہ کوئی آدمی لیٹا ہوا ہے اور اسے یہ کہا جائے کہ وہ حرکت کرے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر قمیض زندہ آدمی کے جسم پر ہے تو جسم کی ہر حرکت کے ساتھ قمیض میں حرکت واقع ہوتی ہے۔ یہی صورت حال گوشت پوست کے جسم کی ہے۔ جب سلطان لباس کو اتار دیتا ہے تو اس کی حیثیت ایسے لباس کی ہو جاتی ہے جو لباس جسم کے اوپر نہیں ہے۔

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اندر کوئی مدافعت باقی نہیں رہتی۔ مرنے کا مطلب یہ ہے کہ سلطان نے گوشت پوست کے لباس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ لباس کا یہ معاملہ عالم ناسوت (عالم دنیا) تک محدود نہیں ہے۔ سلطان ہر عالم۔۔۔ ہر مقام اور ہر تنزل کے وقت اپنا ایک نیا لباس بناتا ہے اور اس لباس کے ذریعے اپنی حرکات و سکنات کا اظہار کرتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ حرکات و سکنات کا لباس کے ذریعے اظہار کرتا ہے بلکہ اس لباس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ اس لباس کو نشوونما بھی دیتا ہے۔ کہیں یہ لباس تعفن اور سرانڈ سے بنتا ہے، کسی Zone میں یہ لباس روشنیوں کے تانے بانے سے بنا جاتا ہے۔ اور یہی لباس نور سے وجود میں آتا ہے۔ سلطان جب لباس کو تخلیط (Matter) سے بناتا ہے تو مادے کی اپنی خصوصیت کے تحت لباس (جسم) کے اوپر زمان و مکاں کی پابندیاں لاحق رہتی ہیں۔

دورخ

ہر ذی روح دو رخوں میں زندگی گزارتا ہے، ایک رخ میں مادی وجود کا عمل دخل ہے اور دوسرے میں مادی وجود کا عمل دخل نہیں ہے۔ البتہ اس حد تک رشتہ قائم رہتا ہے کہ سانس آتا جاتا رہتا ہے۔ دماغ کا وہ حصہ جو انفارمیشن کو قبول کرکے مادی وجود سے تعمیل کرتا ہے معطل ہو جاتا ہے۔ معطل ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ دماغ کا کردار ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہوتی ہے کہ دماغ مادی وجود سے اس حد تک تعلق رکھتا ہے کہ جسم میں زندگی دوڑتی رہے۔

ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ نیند کی حالت میں دماغ جسم کی حفاظت کرتا ہے۔ آدمی اگر کئی دن، کئی ہفتے، کئی مہینے بھی سوتا رہے تو جسم میں تغیر نہیں ہوتا۔ اس کی مثال کوما(Comma) ہے۔ کوما نیند کی ملتی جلتی حالت ہے۔ نیند میں آدمی زندہ رہتا ہے لیکن اس کے برعکس موت سے آدمی مر جاتا ہے۔ کومہ میں آدمی سال بھر یا کئی سال بھی زندہ رہتا ہے اور جسم میں تعفن پیدا نہیں ہوتا۔ جبکہ موت کے بعد آدمی میں یا کسی بھی مخلوق میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ نا صرف تعفن پیدا ہوتا ہے بلکہ جسم پانی اور ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جس سے ہر مخلوق واقف ہے اور متاثر ہوتی ہے۔ یہ کیفیت صرف آدمی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ ہر مخلوق کے ساتھ یہ عمل ہوتا ہے۔

ہم اس کی تشریح کرنا چاہتے ہیں کہ

”آدمی موت و حیات میں مستقل ردوبدل ہو رہا ہے۔“

پیدائش کے بعد پہلے دن کی زندگی دوسرے دن کی زندگی میں تبدیل ہو جاتی ہے، چھ مہینے میں اس طرح تبدیل ہو جاتی ہے کہ بچہ پر ایک دن کی عمر کا تاثر قائم نہیں ہوتا اور اسی ردوبدل سے ہر ذی روح اور جس مخلوق کو غیر ذی روح سمجھا جاتا ہے وہ شب و روز میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

ہر مخلوق پیدا ہوتی ہے اور شب و روز میں ردوبدل ہوتی رہتی ہے۔ ہر مخلوق ہر منٹ، ہر گھنٹہ، ہر دن، ہر رات تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اگر یہ تبدیلی واقع نہ ہو تو جمود طاری ہو جائے گا اور مخلوق کا کوئی فرد پالنے سے باہر نہیں آئے گا۔ بچپن، لڑکپن میں تبدیل نہیں ہوگا۔ لڑکپن، جوانی میں تبدیل نہیں ہوگا اور جوانی، بڑھاپے میں تبدیل نہیں ہوگی۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ایک دن کا بچہ، وہ بچہ آدمی کا ہو، چوپائے کا ہو، پرندہ کا ہو، حشرات الارض ہوں یا کوہسار ہوں، سب ردوبدل ہو رہے ہیں۔ زندگی کا دارومدار حرکات و سکنات پر ہے اور حرکات و سکنات کا دارومدار سانس پر ہے۔ سانس کے بھی دو رخ ہیں۔

۱) سانس کا پہلا عمل یہ ہے کہ جسم میں سانس اندر جاتا ہے۔

۲) دوسرا عمل یہ ہے کہ سانس جسم میں سے باہر آتا ہے۔

اس بات کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ مخلوق کے اندر جب سانس جاتا ہے تو جسم Oxygen قبول کرتا ہے اور جب سانس باہر آتا ہے تو آکسیجن جلتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) باہر آتی ہے۔

میں نے کسی مضمون میں لکھا ہے کہ ایک گھر میں دس آدمی رہتے ہیں، کہا یہ جاتا ہے کہ انسان یا کوئی ذی روح آکسیجن کے ذریعہ زندہ رہتا ہے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ ایک گھر میں دس آدمی رہتے ہیں اور دس آدمیوں میں سے ایک آدمی مر جاتا ہے اور اس گھر میں نو آدمی زندہ رہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ گھر میں آسمان کے نیچے ماحول میں کوئی ردوبدل نہیں ہوتا۔ دس آدمیوں میں سے نو آدمی زندہ ہیں، متحرک ہیں، جذبات واحساسات ان کے اندر کام کر رہے ہیں، انہیں رنج وراحت کا احساس بھی ہے، وہ خوش ہو رہے ہیں، اور غمگین بھی۔ پھر اس بات کو کس طرح بیان کیا جائے گا کہ دس آدمیوں میں سے ایک آدمی مر گیا۔ جبکہ ہوا، آکسیجن اور دوسری گیس (Gases) وہاں موجود ہیں۔ دس میں سے ایک آدمی آکسیجن یا دوسری گیس سے کیسے محروم ہوا؟ جبکہ نو آدمی زندگی کے عوامل میں متحرک ہیں۔

یہ ایک سوالیہ نشان ہے کہ جب ماحول میں سب کچھ موجود ہے۔ ہوا، پانی، آکسیجن اور دوسری گیس (Gases) تو ہزاروں آدمیوں میں سے ایک آدمی زندگی سے کس طرح محروم ہو گیا؟ اگر ایک آدمی گیس اور آکسیجن ختم ہونے سے مر گیا تو ہزاروں آدمی آکسیجن سے کیسے محروم نہیں ہیں؟

زندگی کا تعلق سانس سے ہے، سانس مادی وجود سے تعلق نہ رکھے تو آدمی مر جاتا ہے اور اس کی تمام حرکات وسکنات ختم ہو جاتی ہیں۔

ہمارا تجربہ ہے کہ زندہ آدمی کے جسم پر نشتر لگایا جائے تو دماغ اس آدمی کو نشتر لگنے کے عمل سے مطلع کرتا ہے لیکن مادی وجود سے سلطان اگر رشتہ منقطع کر لے تو مردہ آدمی کے اندر کوئی مدافعت نہیں رہتی۔ رات دن اسپتالوں میں پوسٹ مارٹم ہوتا رہتا ہے، کبھی کسی مردہ جسم نے مدافعت نہیں کی۔ مادی جسم کی حرکات وسکنات اس وقت تک ہوتی ہیں جب تک جسم میں سلطان موجود ہے۔

سیاہ نقطہ

اگر کسی طرح اصل وجود اور اس کی حرکات و سکنات کا علم حاصل ہو جائے تو آدمی موت کے بعد کی زندگی سے واقف ہو جاتا ہے، اسے اس بات کا علم ہو جاتا ہے اور مخصوص مشقوں سے اس بات کا مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد کی دنیا بھی زمین کی طرح ہے۔ مردہ آدمی کو قبر میں اتارنے کے بعد مادی جسم زمین کا حصہ بن جاتا ہے یعنی جسم پانی کی شکل اختیار کر کے مٹی میں جذب ہو جاتا ہے کچھ عرصے کے بعد ہڈیاں بھی راکھ بن جاتی ہیں۔

رات دن کا مشاہدہ ہے کہ قبر کے اندر مادی جسم یا ہڈیوں کے ڈھانچے پر گوشت پوست، رگ پٹھوں اور کھال سے بنا ہوا جسم پانی میں تبدیل ہو کر زمین میں جذب ہو جاتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مادی جسم فنا ہونے کے بعد انسان نیست و نابود ہو گیا۔ مادی جسم تو مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے لیکن انسان موجود رہتا ہے اور انسان کے اعمال و افعال جاری رہتے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ مرتب ہوا کہ انسان احسن تقویم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

”تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو احسن تقویم پھر ڈال دیا اس کو اسفل السافلین میں۔“ (سورۃ التین۔ آیت ۴-۵)

مرنے کے بعد آدمی کے لئے قرآن خوانی کی جاتی ہے اور ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ کھانا تقسیم کیا جاتا ہے، غریبوں کو لباس پہنایا جاتا ہے۔ اور اس کی ایک بڑی شہادت یہ ہے کہ جب سیدنا حضور ﷺ کا بدر کے میدان سے گزر ہوا۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابیوںؓ کے ساتھ قیام فرمایا اور بدر کے مقام پر کھڑے ہو کر مرنے والوں کی ارواح سے باتیں کیں اور ارشاد فرمایا:

”اے قبر میں رہنے والو جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا وہ تم نے دیکھ لیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا وہ میں نے دیکھ لیا۔“

وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو مر گئے ہیں، کیا یہ سنتے ہیں؟“

حضور ﷺ نے فرمایا:

”یہ اسی طرح سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو۔“

تفکر طلب بات یہ ہے کہ جب آدمی مر گیا اور اس کا گوشت پوست مٹی بن گیا اور ہڈیاں راکھ بن گئیں تو قبر میں کون سنتا ہے؟

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ

”یہ اسی طرح سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو۔“ (حدیث)

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

"جب تم قبرستان جاؤ تو کہو السلام علیکم یا اہل القبور"

ان تفصیلات سے یہ شہادت فراہم ہوتی ہے کہ انسان نہیں مرتا بلکہ اس کا مادی جسم مرتا ہے اور مرنے کے بعد مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن جسم کو سنبھالنے والی ہستی سلطان موجود رہتی ہے۔ ان معروضات کے نتیجے میں یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ آدمی کی حیثیت عارضی اور فکشن ہے۔ اب اس مضمون کو سمجھنے کیلئے دوسری طرح بیان کیا جاتا ہے۔

ایک کھلونا ہے اور اس کھلونے کی شکل وصورت آدمی کی ہے۔ اس کھلونے کے دو ہاتھ ہیں، دو پیر ہیں، سینہ ہے، گردن ہے اور سر ہے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، سائنسی دور میں اس طرح کا کھلونا بڑی آسانی سے بن جاتا ہے۔ اس کھلونے (آدمی کے پتلے) میں چابی بھر دی جاتی ہے تو کھلونا زمین پر چلنے لگتا ہے، اچھلتا ہے اور آواز بھی نکالتا ہے۔ کھلونے میں چابی ختم ہو جائے تو کھلونے کے کل پرزے کام نہیں کرتے یعنی کھلونے (آدمی) کی حیثیت Dead Body کی ہو جاتی ہے۔

کائنات میں ہر زمین پر موجود آدمی کی ایک ہی حیثیت ہے، اعمال وافعال بھی ایک ہی طرح کے ہیں۔ جس مقام پر، جس دنیا میں، جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق آباد ہے وہ اس قانون کے پابند ہیں۔ ہر جہاں میں سلطان اپنا جسم بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق معین وقت پورا ہونے کے بعد لباس کو چھوڑ دیتا ہے۔

جب کوئی بندہ اس راز سے واقف ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر یقین کی دنیا روشن ہو جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ مادی وجود کی حیثیت عارضی ہے اور مرنے کے بعد یہ وجود مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ انسان مادی وجود کا نام نہیں ہے۔ مادی وجود کو سنبھالنے والا اور اس کو حرکت دینے والا اور راحت وتکلیف کا احساس کرنے والا سلطان ہے۔

ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان دو رخ، دو جسم، دو دماغ یا دو پرتوں سے مرکب ہے، ایک رخ پیدائش کے بعد سے بڑھاپے تک، عارضی اور متغیر ہے اور دوسرا غیر متغیر ہے جو مرنے کے بعد بھی زندہ اور متحرک رہتا ہے۔

ایک آدمی نے ایک دن کے بچے کو دیکھا، سال تک اس بچہ کو نہیں دیکھا۔ ایک سال کے بعد جب اس بچے کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ یہ بچہ کون ہے تو وہ لاعلمی کا اظہار کرے گا۔ اس کے برعکس چند آدمیوں نے بچے کو سال بھر تک دیکھا ہے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ بچہ کون ہے تو وہ بتا دیتے ہیں کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔

روحانی علوم کے اساتذہ کرام یہ درس دیتے ہیں کہ انسان نہیں مرتا، انسان کا مادی وجود فنا ہوتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ آدمی قدرت کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے۔ جب تک سلطان مادی وجود کو سنبھالے رکھتا ہے مادی وجود حرکت میں رہتا ہے اور جب سلطان مادی وجود سے رشتہ توڑ لیتا ہے تو مادی وجود بے حس وبے حرکت ہو جاتا ہے اور وجود مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

روحانیت میں جتنے اسباق پڑھائے جاتے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اس بات کو سمجھ لے کہ گوشت پوست کا آدمی عارضی ہے اور یہ عارضی جسم قانون قدرت کے تحت پیدا ہوتا ہے، پھیلتا ہے اور معینہ مدت کے بعد سمٹتا ہے، مرتا ہے اور مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ روحانیت میں جتنے اسباق پڑھائے جاتے ہیں یا جتنی ریاضتیں کرائی جاتی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے ماہ وسال پر غور کرے اور اس بات کو سمجھ لے کہ پیدائش کے فوراً بعد گھٹنے اور بڑھنے، بڑھنے اور گھٹنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

زندگی کے پہلے حصے میں آدمی ایک طرف پھیلتا ہے اور دوسری طرف غائب ہو جاتا ہے اور زندگی کے دوسرے حصے میں آدمی سکڑتا اور سمٹتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔

پھیلنے، سمٹنے اور غائب ہونے کا عمل پیدائش کے پہلے دن سے شروع ہو جاتا ہے اور زندگی کے آخری دن یہ عمل ختم ہو جاتا ہے۔

پھیلنے، سمٹنے، ظاہر ہونے اور غائب ہونے کے عمل کو سمجھنا تصوف ہے۔

''وہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا آپ کہہ دیجئے وہ ہی جس نے تمہیں پہلے زندہ کیا تھا۔'' (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۵۱)

تصوف ایک علم ہے جو غیب کو ظاہر کرتا ہے اور غیب میں موجود دنیاؤں کا مشاہدہ کراتا ہے۔ روحانی علوم سیکھنے والے طالبات و طلباء یہ جانتے ہیں کہ مادی وجود مٹی ہے۔ حقیقت سے واقف ہونے کے لئے جتنے اسباق پڑھائے جاتے ہیں یا جتنی ریاضتیں کرائی جاتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان ذہنی طور پر یکسو ہو جائے۔ جیسے جیسے انسان یکسو ہوتا ہے اس کے اوپر حقائق منکشف ہوتے رہتے ہیں اور بتدریج وہ غیبی دنیا سے مانوس ہوتا رہتا ہے۔

زیادہ وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ انسان کے اوپر خواب کے حواس غالب ہو جاتے ہیں یعنی وہ بیدار رہتے ہوئے خواب کی زندگی میں سفر کرتا ہے اور خواب کے اندر کیے ہوئے اعمال و حرکات کو دیکھتا ہے۔

ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ انسان دو شعبوں میں زندگی گزارتا ہے۔ زندگی کا ایک شعبہ یا ایک رخ بیداری ہے اور شعوری حواس ہیں جبکہ زندگی کا دوسرا شعبہ وہ کیفیات اور اعمال و حرکات ہیں جن سے آدمی ماورائی دنیا سے باخبر ہو جاتا ہے۔ ہر انسان دو حواس میں زندگی گزارتا ہے۔

۱۔ حواس پر مکاں کا غلبہ ہوتا ہے۔

۲۔ حواس پر زماں کا غلبہ ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات نہایت درجۂ قابل توجہ ہے کہ دن کے حواس میں اور رات کے حواس میں زماں و مکاں دونوں کا عمل دخل ہے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ جب ہم سوتے ہیں تب مکاں کا غلبہ تقریباً نفی ہو جاتا ہے جبکہ بیداری کی حالت میں مکاں کا غلبہ رہتا ہے۔ یہ بات انسان کے مشاہدے میں ہے کہ انسان جو کچھ کہتا ہے اس کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ کون کہتا ہے۔ انسان کہتا ہے کہ میں نے کھانا کھایا، پانی پیا، کتاب پڑھی، میں نے دور دراز کا سفر کیا۔

فکر طلب بات یہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی (Dead Body) کا پوسٹ مارٹم کیا جائے تو مزاحمت کیوں نہیں ہوتی؟۔۔۔ انسان پر جب موت وارد ہوتی ہے تو اس کے ظاہری وجود میں فوری طور پر کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ زید کہتا ہے کہ میں نے کھانا کھایا، پانی پیا۔۔۔ تو مرنے کے بعد زید کھانا کیوں نہیں کھاتا، پانی کیوں نہیں پیتا، اخبار کیوں نہیں پڑھتا، زید خط کیوں نہیں لکھتا، زید کو نشتر چبھو دیا جائے تو تکلیف کیوں نہیں محسوس کرتا؟

تفکر ہمیں آگاہی بخشتا ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں۔۔۔ کھانا کھایا، پانی پیا، سفر کیا، یہ سب زید کا ذہن ہے۔ ذہن سے مراد یہ ہے کہ ہر بشر میں سلطان کی صلاحیت کام کر رہی ہے۔ سلطان دو طرح کام کرتا ہے۔

۱۔ جسم کو میڈیم بنا کر

۲۔ میڈیم سے آزاد ہو کر

قانون

کچھ کرنے، کھانے پینے، خط لکھنے، خط پڑھنے، ایجادات کرنے یا ایجاد نہ کرنے کی نوعیت اطلاع سے زیادہ نہیں ہے۔ جب ہم جاننے، کچھ کرنے، کھانے پینے، شادی وغیرہ کرنے کا تجزیہ کرتے ہیں تو ادراک ہوتا ہے کہ ان سب کی نوعیت اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ کچھ کرنے، جاننے، پہچاننے، بھوک لگنے اور پیاس محسوس ہونے کا تعلق اطلاع (Information) کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو یہ تلاش کرنا ضروری ہے کہ زید کون ہے؟

زید کون ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ زید کے ذہن کو اطلاعات موصول ہوئیں اور اس نے ان اطلاعات کو قبول کیا، اطلاع دینے والا اور اطلاع کو قبول کرنے والا زید کا ذہن ہے۔ انسان کے اندر دو شعور کام کرتے ہیں۔۔۔

۱۔ عام شعور

۲۔ عام شعور کے بر عکس لاشعور

روحانی طلب علم ابتداء میں عام شعور سے سفر کرتا ہے۔ جتنی زیادہ مشقیں کرتا ہے اسی مناسبت سے شعور کی رفتار بتدریج زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ لاشعور سے قریب ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال مادی دنیا میں یہ ہے۔۔۔

"بچے اسکول میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں Montessori پڑھائی جاتی ہے۔ Montessori کی تین کلاسوں کے بعد پہلی، دوسری، تیسری اور دس تک کلاسیں پڑھائی جاتی ہیں۔ میٹرک کے بعد فرسٹ ائیر، سیکنڈ ائیر اور طالب علم پھر بی۔اے، ایم۔اے کا امتحان پاس کرتا ہے۔ اس کے بعد عالم فاضل ہونے کے لئے وہ پی۔ایچ۔ڈی کرتا ہے۔ ان علوم کو حاصل کرنے کے لئے خواتین و حضرات کی کوئی قید نہیں ہے۔ جو بھی یہ علوم حاصل کرنا چاہتا ہے اساتذہ کی نگرانی میں علوم حاصل کر سکتا ہے۔ علم حصولی یعنی مادی علوم پڑھنے کے لئے کلاسیں ہیں۔

طالب علم پہلی سے دسویں کلاس تک پڑھتا ہے۔ فرسٹ ائیر، سیکنڈ ائیر، بی۔اے، ایم۔اے اور پی۔ایچ۔ڈی کر کے کوئی مرد یا کوئی خاتون دنیاوی علوم کے کسی ایک شعبے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اسی طرح روحانی علوم سیکھنے کیلئے درجہ بندی یعنی کلاسیں ہیں۔ کوئی سالک (روحانی طلب عالم) جتنا علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کر لیتا ہے۔

طالب علم جب سلوک کی راہوں میں سفر کرتا ہے تو پہلی کلاس سے دوسری کلاس میں داخل ہو جاتا ہے اور اسی رح روحانی سفر کرتے ہوئے تیئیس کلاسوں کا عالم بن جاتا ہے۔

روحانی طالب علم جب اسباق پڑھتا ہے اور مشق کرتا ہے تو ابتداء میں غنودگی طاری ہوتی ہے۔ غنودگی سے مراد یہ ہے کہ طالب علم جب آنکھیں بند کر کے بیٹھتا ہے یعنی مراقبہ کرتا ہے تو اس کے اوپر سونے، جاگنے کی درمیانی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ جب دماغ یکسو ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر سونے، جاگنے کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ طالب علم کچھ دیکھتا ہے اور کچھ نہیں دیکھتا، کچھ سمجھتا ہے اور کچھ نہیں سمجھتا۔ کچھ یاد رہتا ہے کچھ یاد نہیں رہتا۔ لیکن وہ جو کچھ دیکھتا یا سنتا ہے اس کے دباؤ سے طالب علم کے اوپر غنودگی طاری ہو جاتی ہے، جس کو ہم سونے جاگنے کی کیفیت کہتے ہیں۔

مشق کرتے کرتے شعور کی مزاحمت کم ہوتی رہتی ہے۔ جب شعور کی مزاحمت کم ہوتی ہے تو طالب علم ''ورود''(سونے جاگنے کی کیفیت) میں داخل ہو جاتا ہے۔''ورود'' میں جب شعوری مزاحمت کم ہوتی ہے تو سکت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ صلاحیت اور سکت میں اضافہ کے بعد روحانی طالب علم تیسری کلاس (منزل) میں داخل ہو جاتا ہے، اس منزل کو یا اس مقام کو کشف کہتے ہیں۔ کشف کے بعد چوتھی منزل الہام ہے، پانچویں منزل معانقہ ہے اور چھٹی منزل مشاہدہ ہے۔ مشاہدہ کے بعد سیر ہے اور سیر کے بعد فتح کا مقام ہے۔ فتح کے بعد انسلاخ ہے۔

یہ علوم تیئیں کلاسوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ایک علم کے کئی شعبے ہوتے ہیں جیسے سائنس میں طبیعیات (Physics)، کیمیاء (Chemistry)، حیاتیات (Biology) وغیرہ۔ ریاضی(Mathematics) میں الجبراء(Algebra) اور علم اقلیدس(Geometry) وغیرہ۔ اسی طرح روحانیت میں بھی ایک شعبہ میں کئی علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ مثالیں ہم نے اس لئے بیان کی ہیں تاکہ قاری کے ذہن پر اضافی بوجھ نہ پڑے اور بات آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

روحانیت میں جتنے اسباق پڑھائے جاتے ہیں یا مشقیں کرائی جاتی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان خالی الذہن ہو جائے۔ جیسے جیسے روحانی طالب علم یکسو ہوتا ہے اسی مناسبت سے وہ لاشعوری زندگی سے واقف ہوتا رہتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ غیب کے نقوش معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

لاشعوری زندگی میں داخل ہونے کے لئے خالی الذہن ہونے کا مراقبہ ضروری ہے۔ خالی الذہن ہونے سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا ذہن ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائے۔ مراقبہ کی قسموں سے واقفیت اور مشق کے بعد سالک (روحانی طالب علم) کے اندر اتنی سکت اور صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بند آنکھوں سے کائنات کی روشنی کا ایک نقطہ دیکھتا ہے۔

مراقبہ میں سالک دیکھتا ہے کہ دل میں سیاہ رنگ نقطہ ہے۔ نقطہ کے مراقبہ کی کامیابی کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ سالک نقطہ کے علاوہ کچھ اور نہیں دیکھتا۔ ذہن صرف روشنی کے نقطہ میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ یہ نقطہ جب پوری طرح واضح ہو جاتا ہے تو نقطہ کی سیاہی چمک دمک میں منتقل ہو جاتی ہے پھر اس نقطہ میں پھیلاؤ پیدا ہوتا ہے اور یہ پھیلاؤ اسکرین بن جاتی ہے۔ اسکرین میں سالک دیکھتا ہے کہ نقطہ کے وسیع پھیلاؤ سے اسکرین پر کائنات کا پروگرام نشر ہو رہا ہے۔

کوئی معبود نہیں مگر اللہ تعالیٰ۔۔۔

ہم جانتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے لئے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھنا شرط اول ہے۔
”نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔“
کوئی معبود نہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں میں معبود کا جو تصور ہے۔ ہم اس کی نفی کرتے ہیں جب تک ہم اپنے بنائے ہوئے معبودوں کی نفی نہیں کریں گے ایک اللہ پر ہمارے یقین کی تکمیل نہیں ہو گی۔ روحانی طلباء و طالبات کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جب تک پیغمبرانہ طرز فکر اختیار نہیں کی جائے گی کوئی طالب علم روحانی علوم نہیں سیکھ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ہمیں سعید روحوں میں شامل کیا ہے۔ آپ حضرات و خواتین دور دراز علاقوں سے تشریف لائے ہیں۔ پاکستان کے دور دراز علاقوں اور غیر ممالک سے سفر کر کے آنا۔ راتوں کو جاگنا، سردی میں بیٹھنا، گھر سے بے گھر ہونا صرف اس لئے کہ ہماری روح چاہتی ہے کہ اسے خالق کائنات کا عرفان حاصل ہو۔

تین کمزوریاں

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا ارشاد ہے۔۔۔

انسان کے اندر تین بنیادی کمزوریاں ہیں۔ اگر ان تین بنیادی کمزوریوں پر غلبہ حاصل کر لیا جائے تو بندہ کے لئے روحانی علوم سیکھنا آسان عمل بن جاتا ہے۔ تین کمزوریاں کیا ہیں؟

نمبر 1

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔۔۔

غصہ انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے اور غصہ انسان کو اس وقت آتا ہے جب اس کے اندر اقتدار کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کے اندر کبر ہوتا ہے اس کے اندر انا ہوتی ہے۔ وہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔ انسان اگر غصہ پر کنٹرول حاصل کر لے تو اس کے لئے راستہ کھل جاتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔۔۔

مرشد اپنے تصرف سے مرید کو دھو کر صاف کر کے اس کے اندر روشنیاں منتقل کرتا ہے۔ مرید اگر ایک منٹ کا غصہ کرے تو تین سال کی روشنیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اور مرشد کے لئے سب سے مشکل کام یہ ہے کہ وہ بار بار مرید کے اندر کی کثافت کو دھو کر روشنیاں منتقل کرتا رہتا ہے اور مرید ایک منٹ کے غصے سے ان روشنیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ مرید روشنیاں ضائع کرنے سے نہیں تھکتا۔ مرشد روشنیاں ذخیرہ کرنے سے نہیں تھکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے تو کام آسان ہو جاتا ہے ورنہ اسی

صفائی ستھرائی میں مرشد پردہ کرلیتا ہے یا مرید مر جاتا ہے۔ ایک منٹ کا غصہ تین سال کی روشنیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔

"جولوگ غصہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔"(سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۳۴)

صورتحال یہ ہے کہ شوہر بیوی پر غصہ کرتا ہے، بیوی شوہر پر غصہ کرتی ہے، اولاد ماں باپ سے ناراض ہے اور ماں باپ اولاد سے ناخوش ہیں۔

نمبر2

دوسری کمزوری جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور روحانیت کے لئے ناپسندیدہ امر ہے وہ اقتدار کی خواہش ہے۔ ہر آدمی اقتدار چاہتا ہے۔ اقتدار کا خواہش مند آدمی روحانی نہیں ہوتا۔

نمبر3

انسان کی تیسری کمزوری جنسی غلبہ ہے۔ اگر سالک مرد یا خاتون کے اوپر جنس کا غلبہ ہو جائے یعنی وہ اعتدال سے ہٹ جائے تو وہ روحانی سفر نہیں کر سکتا۔

عفو و درگذر

حضرت علیؓ اسے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اس نے کہا۔ آپ کو مجھے قتل کر دینا چاہئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "نہیں پہلے لڑائی اللہ تعالیٰ کے لئے تھی۔ اب جب تو نے تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا اب میں قتل نہیں کروں گا تو یہاں سے چلا جا۔" یہ سن کر وہ آدمی مسلمان ہو گیا۔

عام معافی

ہندہ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا۔ جب ہندہ نے اسلام قبول کر لیا تو اسے حضور ﷺ نے معاف کر دیا۔ مکہ میں حضور ﷺ کو اذیتیں دی گئیں۔ راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ سجدے کی حالت میں اونٹ کی اوجھڑی رکھی گئی۔ بائیکاٹ کیا گیا لیکن جب مکہ میں فاتح کی حیثیت سے حضور ﷺ داخل ہوئے تو تاریخ لرزہ براندام ہے کہ یہ کیسی فتح ہے کہ زمین پر ایک خون کا قطرہ نہیں گرا۔ سب کو معاف فرما دیا۔ جو خانہ کعبہ کے اندر ہے اس کو معاف، جس نے گھر کا دروازہ بند کر لیا معاف، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ ستم یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کو معاف فرما دیا معافی ہی معافی ہے رحمت ہی رحمت ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں ہے جہاں بات بات پر غصہ نہ کیا جاتا ہو۔ روحانی آدمی کیلئے ضروری ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو غصہ پر کنٹرول کرے اور اس کے اندر اقتدار کی خواہش نہ ہو۔

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مقام عطا ہو جائے تو اسے اپنا حق نہ سمجھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے اخلاق ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر آپ کے رویہ سے متاثر ہو کر اپنا اخلاق سنواریں۔ جب اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کوئی آدمی ارادہ کرتا ہے، عمل کرتا ہے، جدوجہد کرتا ہے، کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔

’’جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔‘‘(سورۃ العنکبوت۔ آیت ۶۹)

جو لوگ الٰہی نظام میں خود کو شامل کرنے کے لئے عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بخشتا ہے اور ان کے لئے راستے کھول دیتا ہے اور وسائل فراہم کرتا ہے۔ کوشش کریں جدوجہد کریں اور ان تین باتوں کو ہمیشہ سامنے رکھیں کہ غصہ نہیں کرنا ہے، اقتدار کی خواہش نہیں رکھنی ہے اور اعتدال کی زندگی گزارنی ہے۔

توازن

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اعتدال اور توازن سے زندگی گزارتے ہیں۔

’’اور وہ یہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔‘‘(سوۃ الفرقان۔ آیت ۶۷)

اعتدال اور توازن یہ ہے کہ آپ کا ضمیر مطمئن ہو۔ جو آپ اپنے لئے چاہیں وہ اپنے بھائیوں کے لئے بھی چاہیں۔ آپ کے اندر خودنمائی نہ ہو۔ آپ کے اندر کبر نہ ہو۔ دین و دنیا متوازن رکھیں۔ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتے کہ آپ کھانا نہ کھائیں، کپڑے نہ پہنیں، گھر نہ بنائیں، اگر آدمی کھانا نہیں کھائے گا، کپڑے نہیں پہنے گا، گھر نہیں بنائے گا تو معاشی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے روئی اس لئے پیدا کی ہے کہ لوگ کپڑے پہنیں۔ اللہ تعالیٰ نے ریشم اس لئے بنایا ہے کہ لوگ استعمال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اون اس لئے پیدا کی ہے کہ آپ اس سے اپنا بہترین لباس بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر وسائل اس لئے پھیلائے ہیں کہ آپ اس سے آرام حاصل کریں۔ وسائل کو استعمال نہ کرنا ناشکری ہے اور کفران نعمت ہے۔

شکر کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

’’ہم نے حضرت لقمانؑ کو حکمت دی تاکہ وہ ہمارا شکر (استعمال) ادا کرے۔‘‘(سورۃ لقمان۔ آیت ۱۲)

اگر حضرت لقمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت پر ہزار دانے کی تسبیح لے کر بیٹھ جاتے اور یہ ورد کرتے۔ یا اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے یا اللہ تیرا شکر ہے، یا اللہ تیرا شکر ہے، کیا انعام و اکرام اور حکمت کا تقاضہ پورا ہو جاتا؟

اصل بات یہ ہے کہ جو نعمت آپ کو حاصل ہے۔ آپ اس کو استعمال کریں۔ ہم نے حضرت لقمان علیہ السلام کو حکمت دی تاکہ وہ اسے شکر (استعمال) کرے (اپنے لئے اور لوگوں کے لئے)۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حکمت کو استعمال کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔

ہم اس لئے عطا کرتے ہیں کہ لوگ شکر (استعمال) کریں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو استعمال نہیں کرتے وہ کفران نعمت کرتے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ۔۔۔

اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کو اس طرح استعمال کرو کہ ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

اگر آپ دنیا بیزار ہو جائیں گے۔ کاروبار نہیں کریں گے تو دنیا اندھیر ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ انسان انہیں بھرپور طریقے سے استعمال کرے۔ لیکن ذہن میں یہ بات راسخ ہو کر یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ ہماری ملکیت نہیں ہے۔ اصل مالک و خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جو بھی نعمت آپ استعمال کرتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔

تین باتیں میں نے عرض کی ہیں۔

اقتدار کی خواہش اعتدال کی زندگی جو کچھ آپ کو میسر ہے اسے خوش ہو کر استعمال کریں۔ ذہن میں بار بار اس بات کو دہرائیں کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔

انسان روحانی ترقی اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک وہ محدود شعور میں بند رہتا ہے، روحانیت لامحدود علم ہے۔ لامحدود چیز حاصل کرنے کیلئے آپ کو محدودیت کا غلبہ ختم کرنا ہو گا۔ جب تک محدودیت کے دائرے سے باہر قدم نہیں نکالیں گے آپ لامحدود دائرے میں داخل نہیں ہو سکتے۔

روحانی طالب علم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی فکر محدود نہ ہو۔ وہ شعوری اعتبار سے سونے چاندی کے ذخیروں میں گم نہ ہو جائے۔ انسان دنیا کو اپنا مقصد نہ بنائے۔ اتنا گمراہ نہ ہو جائے کہ شداد و نمرود اور فراعین کے اوصاف اس کے اندر داخل ہو جائیں۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے لامحدود بنایا ہے۔ روح جس کے اوپر زندگی رواں دواں ہے، لامحدود ہے اور مادی وجود محدود ہے۔

قافلہ سالار

وہ حضرات جو مراقبہ ہال کے انچارج ہیں یا جنہیں سلسلہ عظیمیہ کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں وہ اپنے مراکز اور شعبوں میں اس بات کی کوشش کریں کہ ٹیم کے ساتھ کام ہو۔ مشن دراصل ایک قافلہ ہے۔

قافلے کا مطلب ہے کہ اس میں ہر طرز فکر کا آدمی ہوتا ہے۔ قافلے میں موچی ہوتا ہے، درزی ہوتا ہے، کارپینٹر ہوتا ہے، معلم ہوتا ہے، شاگرد ہوتا ہے، نانبائی ہوتا ہے، یعنی زندگی میں کام آنے والے جتنے بھی شعبے ہیں۔ ہر شعبے سے متعلق لوگ قافلے میں شریک ہوتے ہیں۔

سالار قافلہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ گو کہ وہ سب سے آگے ہوتا ہے لیکن اسے اپنے آگے نہیں دیکھنا، پیچھے زیادہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اگر قافلے میں سے لوگ نکلنا شروع ہو جائیں اور قافلہ سالار توجہ نہ دے تو نہیں کہا جا سکتا کہ جب قافلہ منزل پر پہنچے تو ۱۰۰ آدمیوں میں سے ۵۰ آدمی بھی رہیں گے یا نہیں۔

سلسلہ عظیمیہ کے نگران صاحبان میری اس بات پر بہر حال عمل کریں کہ وہ اپنے ذہنوں سے اقتدار کی خواہش نکال دیں۔ دوسرے لوگوں پر اعتبار کرنا سیکھیں۔ بزرگوں کا احترام کریں، چھوٹوں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھیں۔ ہم عمر بہن بھائیوں کی دل جوئی کریں۔

ٹیم ورک

ایک آدمی بیک وقت سب کام نہیں کر سکتا ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک آدمی ٹیچر ہو اور اس وقت وہ سوداگری بھی کرے۔ درزی، بیک وقت درزی، لوہار اور کارپینٹر کا کام نہیں کرتا۔

معالج اسپتال میں مریضوں کا علاج کرے اور اس وقت فیکٹری میں کام بھی کرے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو دنیا میں گروہی سسٹم قائم نہ ہوتا۔ یہاں کی دنیا ہو یا غیب کی دنیا ہو، ایک گروہی سسٹم ہے۔ حیوانات، درخت، پرندے، پہاڑ، ملائکہ سب کے تخلیقی فارمولے الگ الگ ہیں۔

ملائکہ ارضی، ملائکہ سماوی، ملائکہ نوری، ملائے اعلیٰ، حاملان عرش، گروہ جبرائیل، گروہ میکائیل، گروہ اسرافیل، گروہ عزرائیل وغیرہ۔ سب کی ڈیوٹیاں الگ الگ ہیں۔ کسی گروہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہوا کو کنٹرول کرتا ہے۔ کوئی بارش کو کنٹرول کرتا ہے۔ کسی گروہ پر علم پھیلانے کی ذمہ داری ہے۔

یہ بات میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ میرے ذہن میں یہ خیال آتا تھا کہ اگر میں نے اپنا کام دوسروں کے سپرد کر دیا تو میری حیثیت کم ہو جائے گی؟

یاد رکھئے! اور اس پر پوری توجہ صرف کیجئے۔

ہر نگران مراقبہ ہال کو دو، چار آدمی ضرور ایسے تیار کرنے ہیں جو اس کے کام کو آگے بڑھائیں۔ آم کے درخت سے آم کھائے جاتے ہیں۔ اگر آم کی گٹھلی کو زمین میں نہ دبایا جائے تو آم ختم ہو جائے گا۔ آم ایک فرد ہے۔ ایک تشخص ہے۔ جس طرح انسان ایک فرد ہے۔ ایک تشخص ہے آم کی گٹھلی بھی آم ہے۔ جب تک آم کی گٹھلی اپنے وجود کو نیست ونابود نہیں کر دیتی آم کا درخت نہیں اُگتا۔

سلسلہ عظیمیہ کے ارکان کی ذمہ داری

سلسلہ عظیمیہ کے ارکان کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کو چھوڑنے سے قبل کم سے کم ایک آدمی تیار کر دیں تاکہ سلسلے کا کام جاری رہے۔ کسی دوسرے آدمی پر اعتماد کرنا ہرگز اس بات کی طرف اشارہ نہیں ہوتا کہ آپ کی اپنی عزت کم ہو جائے گی۔ آپ کا فرض دوسروں کو آگے بڑھانا ہے۔

میری ذاتی کوشش اور جدوجہد ہے کہ میں جب تک اس عارضی دنیا میں مقیم ہوں اپنے قائم مقام لوگوں کو تیار کروں۔ تقریر میں، تحریر میں، تصنیف میں اور طرز فکر کی تبدیلی میں۔

انشاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھیں گے کہ نئے نئے لوگ کتابیں بھی لکھیں گے۔ نئے نئے لوگ تقریر بھی کریں گے۔ نئے نئے لوگ عرفان نفس کی کوشش کریں گے۔

چھوٹوں کی اصلاح

سلسلہ عظیمیہ کی ترویج و ترقی اسی طرح ممکن ہے کہ ہر آدمی دوسرے لوگوں کو آگے بڑھائے۔ آگے بڑھانے میں اقتدار کی خواہش کو ٹھیس لگتی ہے۔ دوسرے لوگوں کو آگے بڑھانے میں بہت سی باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ غلط باتیں بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنے چھوٹوں کو غلطیاں کرنے کا موقع نہیں دیں گے تو ان کی اصلاح کیسے ہو گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ذمہ دار حضرات غلطیوں کو نظر انداز کر کے اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھائیں۔

ایک نصیحت

مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے مرشد حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ نے فرمایا تھا۔۔۔

میں تمہیں ایک نصیحت کر کے جا رہا ہوں اس کو ہمیشہ یاد رکھنا۔

فرمایا۔۔۔

روحانی آدمی کی یہ ڈیوٹی ہے کہ اگر وہ اوپر ہے تو نیچے والے کو اوپر اٹھائے۔ نیچے والوں کی یہ ڈیوٹی ہے کہ اگر ان کو کوئی بھائی باصلاحیت ہے جسے اوپر اٹھایا جا رہا ہے تو وہ یہ نہ سوچیں کہ میں اوپر کیوں نہیں گیا۔ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اوپر اٹھائے اور جب یہ سلسلہ قائم ہو جائے گا تو بہت سارے ایسے لوگ جن کی صلاحیتیں کم ہوں گی وہ بھی اوپر پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا روحانی مشن کی ترویج اور ترقی کا راز یہ ہے کہ ہر شخص اپنے بھائی اور بہن کو اوپر پہنچانے کی کوشش کرے۔

ہر شخص کو یہ سوچنا چاہئے کہ روحانی تعلیمات کا پھیلاؤ ہو۔ ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ کسی بہن یا کسی بھائی نے کیوں ترقی کی ہے؟ اس لئے کہ ہر آدمی کی صلاحیتیں الگ الگ ہیں۔

اگر کسی کی صلاحیتوں سے آپ کو فائدہ پہنچ رہا ہے تو آپ اس کی ہمت افزائی کریں، اس کی تعریف کریں۔ اس کی کوئی بات بری لگ رہی ہے تو اسے معاف کریدں۔ ایک دفعہ دو دفعہ چار دفعہ جب آپ کسی کی بات برداشت کریں گے اور اس کے لئے ایثار کریں گے تو وہ خود ہی اپنی اصلاح کرلے گا۔

اس عمل سے ہر روحانی بہن اور ہر روحانی بھائی کی ترقی ہو گی اور اس طرح سلسلہ کی تعلیمات کا پھیلاؤ ہو گا۔۔۔انشاء اللہ

صبح بہاراں

عظیمیہ جامع مسجد میں فجر کی نماز کے بعد مراقبہ ہوتا ہے
حضرت عظیمی صاحب مراقبہ کے بعد لیکچر ڈیلیور کرتے تھے
فروری ۲۰۰۱ء میں یہ سلسلہ شروع ہوا اور مئی ۲۰۰۱ء تک جاری رہا

لیکچر نمبر 1
زندگی مسافر خانہ ہے
مورخہ 25 فروری 2001ء بروز اتوار
حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔۔۔

”دنیا مسافر خانہ ہے۔“

مسافر خانہ میں جب قیام کرتے ہیں تو سامان ساتھ نہیں لے جاتے۔ سفر ختم ہوا مسافر خانہ سے باہر آگئے۔ کچھ ساتھ نہیں لائے تھے کچھ ساتھ نہیں لے گئے۔ مسافر خانہ میں آرام کی ساری چیزیں موجود تھیں اگر کوئی چیز موجود نہیں تھی تو اس کی فکر نہیں کی۔ کیونکہ مسافر خانہ میں چند روز رہنا ہے۔ جس طرح مسافر خانہ خانہ میں رہتا ہے اور وہاں سے چلا آتا ہے اسی طرح انسان دنیا میں مہمان بن کر آتا ہے اور بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا گزار کر چلا جاتا ہے۔

مسافر خانہ میں مسافر کہیں سے آتا ہے اور مسافر خانہ چھوڑ کر کہیں چلا جاتا ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے ہم نہیں جانتے ہم کہاں سے آئے ہیں اور نہیں جانتے کہاں چلے جائیں گے۔ پڑھے لکھے لوگ کہتے ہیں۔ آدمی عالم ارواح سے آتا ہے اور زندگی کے نشیب و فراز گزار کر عالم اعراف میں چلا جاتا ہے۔

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ عالم ارواح کیا ہے؟ اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ عالم اعراف کیا ہے؟

جب آدمی سفر میں ہوتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے پاس کم سے کم سامان ہو۔ سامان جتنا کم ہو گا سفر اتنا آرام سے گزرے گا۔ آدمی اچھے ہوٹل میں اس لئے ٹھہرتا ہے کہ وہاں پہلے سے سامان موجود ہوتا ہے۔ وہ راحت و آرام کیلئے ہوٹل کی سب چیزیں استعمال کرتا ہے مگر جب ہوٹل چھوڑتا ہے تو سامان ساتھ نہیں لے جاتا اور اسے سامان ساتھ نہ لے جانے کا افسوس بھی نہیں ہوتا۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ ہمارا دماغ ایک کمرہ ہے۔ کمرہ کافی کشادہ اور ہوادار ہے۔ کمرہ میں ایک چارپائی ہے اس پر آرام دہ بستر بچھا ہوا ہے، اس کے علاوہ چند چیزیں ہیں مثلاً گرمی سے بچنے کیلئے ایک پنکھا ہے، چھوٹی سی ایک میز ہے، میز پر ضروری چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ اس کمرہ میں ایک آدمی سوتا ہے اور صبح بیدار ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس ایک اور کمرہ ہے اور اس میں ایک تخت ہے۔ اس پر بستر بچھا ہوا ہے، ایک میز، ایک کرسی، ایک پنکھا، ایک بڑا قالین، بڑے قالین کے اوپر نہایت خوبصورت ایک چھوٹا قالین ہے، دو گاؤ تکیہ ہیں، ریڈیو ہے، ٹی وی ہے، DVD پلیئر ہے، ٹیلیفون ہے، الماری ہے، الماری میں کپڑے ہیں، چار پانچ جوڑی جوتے ہیں، الماری میں جیولری ہے، سو سو کے نوٹ ہیں، ایک چھوٹا فریج ہے، گھڑی ہے، دیوار پر آپ کا، بیگم کا اور بچوں کا فیملی فوٹو آویزاں ہے۔ آپ اس کمرے میں سوتے ہیں۔

اس سے بالکل الٹ جہاں صرف ایک تخت ہے اور اس کے اوپر بستر ہے۔ بستر کے اوپر دو تکیے ہیں۔ زمین پر چٹائی بچھی ہوئی ہے۔

آپ کیا سمجھے یہ کہانی کیا ہے؟

ایک آدمی خالی کمرہ میں سوتا ہے دوسرا آدمی کمرہ میں موجود پندرہ بیس چیزوں کے درمیان سوتا ہے۔ آپ جب سو جاتے ہیں تو یہ سب چیزیں بظاہر آپ کو نظر نہیں آتیں لیکن ان چیزوں کا عکس آپ کے دماغ پر پڑتا رہتا ہے جب کمرہ میں بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں تو الجھی ہوئے خواب نظر آتے ہیں۔ جب کمرہ میں چیزیں نہیں ہوتیں چونکہ چیزوں کا عکس دماغ پر نہیں پڑتا اس لئے دماغ ہلکا رہتا ہے۔ نیند اچھی آتی ہے۔

آپ کہیں گے کہ زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ سب چیزیں موجود ہوں لیکن آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ کمرہ میں موجود ہر چیز کا عکس آپ کے دماغ پر پڑتا ہے، اس لئے آدمی بھاری پن محسوس کرتا ہے اور اس کمرہ میں جہاں سامان کم ہوتا ہے یا ہوتا ہی نہیں ہے تو آدمی بھاری پن محسوس نہیں کرتا اور کمرہ میں نیند اچھی آتی ہے۔

قانون

یہ دنیا اور دنیا کی ہر شئے اپنا وجود رکھتی ہے۔ وجود نہیں ہوگا تو شئے نہیں ہوگی۔ شئے کی موجودگی یہ ہے کہ ہر شئے کا عکس دماغ پر پڑتا ہے۔ اگر شئے کا عکس دماغ پر نہ پڑے اور ذہن اس عکس کو قبول نہ کرے اور حافظہ اس شئے کو یاد نہ رکھے تو آدمی کیلئے یہ شئے عدم موجود ہو جائے گی۔

آدمی جب پیدا ہوتا ہے اس کے ذہن میں کچھ نہیں ہوتا لیکن جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا ہے دنیا کی چیزوں کا عکس اس کے حافظہ میں محفوظ ہوتا رہتا ہے اور جب وہ جوان ہوتا ہے دنیا کا پورا ریکارڈ اس کے حافظہ میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

آپ قریبی دوست کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک کمرہ ہے۔ وہ سامان سے بھرا ہوا ہے اور اس میں دوسرے آدمی کے لئے جگہ نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس دوست کو کہاں رکھیں گے؟ کہاں سلائیں گے؟ اسے کیسے راحت و آرام پہنچائیں گے؟

اس کے برعکس ایک کمرہ ہے اس میں ایک پلنگ ہے، باقی جگہ خالی ہ۔ آپ کا دوست اس کمرہ میں آرام سے رہے گا اور اسے سکون ملے گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ زندگی گزارنے کے لئے سامان ضروری نہیں ہے۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ سامان کمرہ میں اتنا نہ ہو کہ کمرہ کباڑ خانہ بن جائے۔ دنیا روٹین میں گزاری جائے تو دماغ ہلکا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق دل میں جگہ موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ہمارے لئے بنائی ہے لیکن صورتحال یہ ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم دنیا کے لئے بنے ہیں۔

آپ کا دوست آپ کو قیمتی گھڑی امانتاً دیتا ہے۔ وہ جب چاہے وہ آپ سے لے سکتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ گھڑی سے محبت کرتے ہیں، گھڑی میں آپ کی جان اٹکی ہوئی ہے اور جس نے آپ کو گھڑی دی ہے اس کی طرف آپ کا ذہن ہی نہیں جاتا۔ ایسے شخص کے بارے میں آپ یقیناً یہی کہیں گے کہ یہ شخص ناشکرا اور احسان فراموش ہے۔ میں ایک فقیر بندہ ہوں۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ دنیا کی ساری چیزیں استعمال کریں لیکن دنیا میں دل نہ لگائیں۔ خیال رکھیں کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بنائی ہے۔

ہماری صورت یہ ہے کہ ہم دنیا کی ہر شئے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی بڑی سے بڑی قیمت لگا دیتے ہیں جس نے یہ نعمت عطا کی ہے اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

میرے بچوں! میرے بزرگوں! دل میں دنیا کی بجائے اللہ تعالیٰ کو بسایئے۔ جب دل میں اللہ تعالیٰ بس جاتا ہے تو دنیا بہت چھوٹی ہو جاتی ہے اور بندہ کے سامنے کائنات سرنگوں ہو جاتی ہے۔

لیکچر نمبر 2

روح کیا ہے؟

مورخہ 27 فروری 2001ء بروز منگل

روح کیا ہے؟

روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔

یہ جو دل دھک دھک کر رہا ہے۔

اللہ ھو، اللہ ھو کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربانیت اور خالقیت کا اظہار کر رہا ہے۔

جو بندہ روح سے واقف ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے واقف ہو جاتا ہے۔

جسم کیوں سڑ جاتا ہے اس لئے کہ روح نکل جاتی ہے۔

انسان Comma میں ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتا ہے۔

ایک لڑکی بچپن سے 22 سال تک Comma میں رہی لیکن روح چونکہ جسم کی نگرانی کرتی ہے اس لئے جسم سلامت رہتا ہے اور اس کی نشوونما بھی ہوتی رہتی ہے۔ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ سمندر کے قطرہ میں سمندر کی تمام خصوصیات ہوتی ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ

"کوئی علم قربت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔"

روحانیت کیلئے قربت ضروری ہے۔ جس طرح بچے کیلئے ماں باپ کا قرب ضروری ہے کہ وہ اپنی مادری زبان اور خاندانی روایات سیکھے۔ اسکول میں استاد کا قرب ضروری ہے۔ اسی طرح روحانیت میں مرشد کی قربت ضروری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ روحانیت پھونکوں کا علم ہے، اگر پھونکوں سے روحانیت آجاتی تو پھونکوں سے آدمی میٹرک بھی کر لیتا۔ دنیاوی علوم اور روحانی علوم سیکھنے کیلئے استاد کی قربت ضروری ہے۔ استاد کے بغیر کوئی بھی علم نہیں سیکھا جاسکتا۔

گونگے، بہرے ماں باپ کے بچے ان کے ساتھ رہ کر بولنا نہیں سیکھ سکتے۔ ایک انسان کے بچے کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا اور بھیڑیے نے اس کی پرورش کی۔ بھیڑیے کی صحبت اور پرورش کا یہ اثر ہوا کہ بچہ چاروں ہاتھوں پیروں سے چلنے لگا اور وہ بہت تیز بھاگتا تھا۔ اگر ہم صفاتی اعتبار سے جانوروں کی زندگی گزاریں تو انسان کے اندر بھی جانوروں کی صفات آجاتی ہیں۔ جب بچہ بد اخلاق لوگوں کے ساتھ رہتا ہے تو وہ بھی بد اخلاق ہو جاتا ہے۔ ماں باپ گالیاں بکتے ہیں تو بچہ بھی گالیاں بکنے لگتا ہے۔ ماں باپ صاف ستھرے رہتے ہیں، ان کا اخلاق اچھا ہوتا ہے اور وہ محب وطن ہوتے ہیں تو بچہ کے اندر بھی یہی خصوصیات ہوتی ہیں۔ بچہ کے اندر وہی صفات ہوتی ہیں جو والدین اور ماحول میں ہیں۔

انسان دو پیروں سے چلتا ہے اس لئے کہ اس کی ماں اور انسانی برادری دو پیروں سے چلتی ہے۔ بکری کا بچہ چار پیروں سے چلتا ہے اس لئے کہ اس کی ماں بکری بھی چار ہاتھ پیروں سے چلتی ہے۔ چڑیا کا بچہ اڑتا ہے اس لئے کہ اس کے ماں باپ اڑتے ہیں۔ یہی حال رینگنے والے کیڑوں کا ہے وہ بھی اسی طرح رینگتے ہیں جس طرح کیڑے کے ماں باپ رینگتے ہیں۔ چڑیا ایک پرندہ ہے، اس پرندہ کی آواز چوں چوں ہے۔ چڑیا کے بچے بھی یہی آواز بولتے ہیں جو چڑیا کے ماں باپ بولتے ہیں۔ کوئل کی آواز نہایت خوبصورت آواز ہے۔ کوئل کے بچے بھی خوبصورت آواز میں کوکو کی صدا لگاتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔

"اچھی آواز سے بات کرو۔ اور آواز تو گدھے کی بھی ہے۔" (سورۃ لقمان۔ آیت ۱۹)

جس طرح دنیاوی زندگی میں ماحول کا اثر ہوتا ہے اور آدمی اس ماحول کی نقل کرتا ہے جس ماحول میں وہ رہتا ہے۔ اسی طرح روحانی دنیا کا بھی ایک ماحول ہے۔ اس ماحول میں رہنے والے لوگوں کا اخلاق اچھا ہوتا ہے۔ ان کے اندر شک اور وسوسے کی جگہ یقین کام کرتا ہے۔ جس طرح آدمی کے اوپر ماحول اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح اخلاق اور شرافت کا اثر ہوتا ہے۔ روحانی دنیا میں بھی ماحول کا اثر ہوتا ہے اور اس کی ابتداء یقین سے ہوتی ہے۔ جب کوئی بندہ روحانی دنیا سے واقف ہو جاتا ہے اور روحانی دنیا کی طرزیں اس کے اندر راسخ ہو جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ

"میرا اس بات پر یقین ہے کہ دنیا میں آخرت میں، دنیا میں آنے سے پہلے اور دنیا سے جانے کے بعد کی دنیا میں، یعنی جی اٹھنے کے بعد عالم میں، صبح، دوپہر، شام اور رات میں جو کچھ ہوتا ہے، ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت ۷)

روحانی علوم سیکھ کر آدمی کے اندر یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ

"جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت ۷)

روحانی طالبات و طلباء کیلئے ضروری ہے کہ ان کے اندر استقامت اور اس بات کا یقین ہو کہ دنیا میں آنے سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے، دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور دنیا سے جانے کے بعد جو کچھ ہو گا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ انسان دو پیروں سے چلتا ہے، دو ہاتھوں سے پکڑتا ہے، دو آنکھوں سے دیکھتا ہے، دماغ سے سوچتا ہے، یہ سب اعضاء مرنے کے بعد بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں اور مٹی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

لیکن جو چیز اعضاء کو متحرک رکھتی ہے، آنکھوں میں بینائی مستقل کرتی ہے، جسمانی اعضاء کو حرکت دیتی ہے، سوتے ہوئے کو جگاتی ہے، جاگتے ہوئے بندہ کو سلاتی ہے، وہ روح ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد جسم کیڑے مکوڑوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ لیکن روح برقرار رہتی ہے اور اس کا علم بھی قائم و دائم رہتا ہے۔

لیکچر 3

سانس کی مشقیں

مورخہ 8 فروری 2001ء بروز بدھ

ہر انسان، ہر ذی روح اور وہ تمام مخلوق جن کو ذی روح نہیں سمجھا جاتا سانس اندر لیتے ہیں اور باہر نکالتے ہیں۔ جسمانی زندگی کا دارومدار سانس کے اوپر ہے۔ جب تک سانس ہے جسم میں حرکت ہے، نشوونما ہے، جسم جوان ہوتا ہے اور جسم بوڑھا ہوتا ہے۔ سانس کی آمد و شد نہ ہو تو ہر ذی روح مر جاتا ہے۔

سانس کی موجودگی میں آدمی بڑھتا، گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ ایک دن کے بچے کی زندگی بھی سانس کے اوپر قائم ہے اور سو سال کا بوڑھا بھی اگر زندہ ہے تو سانس کے آنے اور جانے سے زندہ ہے۔ بزرگوں کا فرمان ہے۔۔۔

"سانس ہے تو جہان ہے۔"

میرا، آپ کا اور ساری دنیا کا تجربہ ہے کہ سانس کی آمد و شد ہے تو آدمی زندہ ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔۔۔

"جس مخلوق کو غیر ذی روح کہا جاتا ہے وہ بھی سانس لیتی ہے۔ جس طرح ذی روح کے اندر حرکت، عقل اور شعور ہے غیر ذی روح سمجھنے والی مخلوق میں بھی عقل و شعور ہوتا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مخلوق ذی روح ہے۔ دنیا میں تین مخلوق آباد ہیں۔

۱) حیوانات

۲) نباتات

۳) جمادات

جس طرح حیوانات بشمول آدمی اور چڑیا، ہاتھی، اونٹ، بکری، گائے وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، نشوونما پاتے ہیں اور عمر پوری ہونے کے بعد اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اسی طرح نباتات اور جمادات بھی پیدا ہوتے ہیں اور زمین پر سے غائب ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔

"ہم نے اپنی امانت سماوات کو زمین کو اور پہاڑوں کو پیش کی سب نے کہا ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا۔ بے شک یہ ظالم اور جاہل ہے۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت ۷۲)

ہم جب زندگی کا تذکرہ کرتے ہیں اور زندگی کے ماہ و سال کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ زندگی دراصل سانس کا آنا جانا ہے۔ سانس کی آمد و شد ختم ہو جاتی ہے تو آدمی اور دنیا کی ہر شئے مردہ ہو جاتی ہے۔ مردہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر، جمادات کے اندر، نباتات کے اندر حرکت ختم ہو جاتی ہے۔

ایک آدمی ہے وہ چلتا پھرتا ہے، حرکت کرتا ہے، دوڑتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، باتیں کرتا ہے، محسوس کرتا ہے، گرمی سردی سے متاثر ہوتا ہے، اسے بھوک لگتی ہے، وہ پانی پیتا ہے جسم پر چوٹ محسوس کرتا ہے لیکن اگر وہ مر جاتا ہے تو وہ کچھ محسوس نہیں کرتا، نہ وہ روتا ہے، نہ وہ ہنستا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی مزاحمت کرتا ہے۔

یہ سب کس طرح ہوا۔۔۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جسم کے اندر انرجی اور توانائی ختم ہو گئی۔ جو اعضاء محسوس کرنے کا ذریعہ ہیں وہ بھی موجود ہیں۔ معدہ موجود ہے، پیٹ موجود ہے لیکن بھوک نہیں لگتی اور آدمی چنے کے برابر غذا نہیں کھاتا۔ اس لئے کہ سانس کا نظام معطل ہو جاتا ہے۔ جب تک نظام تنفس برقرار رہتا ہے، زندگی قائم رہتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ زندگی میں اگر سانس کا نظام ختم ہو جائے تو موت وارد ہو جاتی ہے۔

ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ زندگی کا دارومدار سانس کے اوپر ہے۔ ہر شئے سانس اندر لیتی ہے اور سانس باہر نکالتی ہے۔ بتایا یہ جاتا ہے کہ جب ہم سانس اندر لیتے ہیں تو ہمارے اندر آکسیجن داخل ہوتی ہے اور وہ جل کر کاربن ڈائی آکسائیڈ بن جاتی ہے۔ جب ہم سانس باہر نکالتے ہیں تو کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر آتی ہے۔

یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو ماں کے پیٹ میں شروع ہوتا ہے اور جب انسان اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور مادی جسمانی نظام بکھر کر غائب ہو جاتا ہے۔ مشقوں کے ذریعے سانس پر کنٹرول حاصل ہو جائے تو آدمی وہ کام کرلیتا ہے جو بظاہر ممکن نہیں۔ مشق کے ذریعے سانس پر کنٹرول حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔۔۔

منہ بند کر کے ناک سے سانس لیں اور گول منہ کھول کر سانس باہر نکال دیں۔ جس وقت سانس کی مشق کی جائے توجہ دل کی طرف رکھیں۔

جب سانس کی مشق کی جائے تو ایسی جگہ بیٹھیں جہاں شور نہ ہو اور گرد و غبار نہ ہو پیٹ خالی ہو۔ آلتی پالتی مار کر بیٹھیں گردن اور کمر سیدھی ہو، یعنی تن کر نہ بیٹھیں، جسم میں کھنچاؤ نہ ہو۔

مشق اس طرح کی جائے۔۔۔

گھڑی دیکھ کر ناک سے ۲۰ سیکنڈ تک سانس اندر لیں اور سانس گول منہ کھول کر باہر نکال دیں۔ ایک مہینہ تک مشق روزانہ گیارہ مرتبہ کریں۔

اس کے بعد وقت ۲۰ سیکنڈ سے بڑھا کر ۳۰ سیکنڈ کر دیں اور یہ مشق بتدریج ایک منٹ تک کریں۔ ۳۰ سیکنڈ تک سانس اندر لیں اور ایک منٹ تک روکیں اور ۳۰ سیکنڈ تک خارج کریں۔ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ ضروری ہے کہ مشق سے پہلے استاد کا انتخاب کریں جو خود سانس کی مشق کا تجربہ رکھتا ہو اور مشقوں کے نتائج سے باخبر ہو۔

لیکچر 4

من کی دنیا

مورخہ یکم مارچ 2001ء بروز جمعرات

دنیا میں سماوات ہیں، زمین ہے، پہاڑ ہیں، صحرا ہیں، نخلستان ہیں، باغات ہیں، دریا ہیں، سمندر ہیں، جھیلیں ہیں، درخت ہیں، قسم قسم کے پھول ہیں، تتلیاں ہیں، معدنیات ہیں، چوپائے ہیں، حشرات الارض ہیں، پرندے ہیں، جواہرات ہیں، دنیا میں موجود ہر شئے کا اپنا نام ہے۔

بتایا یہ جاتا ہے کہ زمین پر گیارہ ہزار مخلوقات آباد ہیں۔ سانپ کی بے شمار قسمیں ہیں، ان کے بھی نام ہیں۔ چرند پرند ہیں ان کے بھی نام ہیں، حشرات الارض کے بھی نام ہیں، درندے ہیں، سمندر میں بے شمار مخلوقات ہیں اور Sea Food بھی ہے، پودے ہیں، غار ہیں سب کے نام ہیں۔

یہ ایک معمہ ہے کہ گیارہ ہزار مخلوقات کے نام کس نے رکھے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کے نام کب رکھے گئے؟

آدم علیہ السلام کے زمانے میں رکھے گئے یا آدم علیہ السلام پر آنے سے پہلے رکھے گئے؟ یہ بھی ایک سوالیہ نشان ہے کہ کیا ان سب چیزوں کے نام انسان نے رکھے ہیں؟ کیا انسان ان سب کے نام جانتا ہے؟

ایک چھوٹا بچہ جس کو ابھی بولنا نہیں آتا، آپ اس کے سامنے ہنسیں تو وہ خوش ہو گا اور آپ اس کو غصہ سے دیکھیں تو وہ رونے لگے گا۔

سوال طلب بات یہ ہے کہ بچہ کیا سمجھا؟

کیوں رویا اور کیوں ہنسا؟

انسان دراصل ایک آئینہ ہے وہ ہر چیز کو اپنے آئینے میں دیکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مر جاتا ہے تو کیوں نہیں دیکھتا؟ اس لئے نہیں دیکھتا کہ مادی جسم مر گیا۔

جتنی بھی مخلوق ہے وہ شعور رکھتی ہے۔ آپ درخت کو پانی نہ دیں تو وہ سوکھ جائے گا۔ اسی طرح آپ انسان کو پانی نہ دیں تو وہ مر جائے گا۔ جس طرح انسان بچے پیدا کرتا ہے اسی طرح پہاڑ کے بھی بچے ہوتے ہیں اور تمام مخلوقات کے بچے ہوتے ہیں۔ ہم گائے کو دیکھ کر کیسے سمجھتے ہیں کہ یہ گائے ہے۔ دراصل گائے خود یہ شعور رکھتی ہے کہ وہ گائے ہے، انا خبر دیتی ہے کہ یہ

گائے ہے، یہ بھینس ہے، یہ ہرن ہے، یہ شیر ہے، یہ پرندے ہیں اور زمین کے اوپر اور زمین کے اندر حشرات الارض ہیں۔ دریا میں مچھلیاں ہیں اور سمندر میں سمندری مخلوق ہیں۔

ہر مخلوق کے اندر جذبات ہیں مخلوق روتی ہے، مخلوق ہنستی ہے۔ خوش ہوتی ہے۔ مخلوق بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ چڑیا بچوں کو چوگا (غلط العام چونگا) دیتی ہے۔ پرندے پوٹا میں دانے جمع کر کے اپنے بچوں کو کھلاتے ہیں۔ اپنے بچوں کو چاٹ کر نہلاتے ہیں اور ان کے ساتھ کھیلتے بھی ہیں۔

بولنے والے کے خیالات کا عکس آپ کے اندر آئینے پر آجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مخاطب Message سمجھتا ہے۔ آواز کی لہریں ایک دوسرے میں منتقل ہو رہی ہیں۔ باہر کچھ نہیں ہے، سب کچھ اندر ہے آدمی اندر میں بولتا ہے، اندر دیکھتا ہے اور اندر ہی سنتا ہے۔

مرنے کے بعد آدمی نہ بولتا ہے اور نہ حرکت کرتا ہے۔ یہ حال ہر مخلوق کا ہے۔ جب کوئی شئے، شئے کو دیکھتی ہے تو اپنی انا میں دیکھتی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا ہے۔۔۔

انسان جب قانون سے واقف ہو جاتا ہے تو اس کی ترقی ہوتی ہے اور انسان کائنات میں بولی جانے والی زبان (Languages) کو سمجھ سکتا ہے۔ ظاہری گفتگو کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ مسلسل خیالات آنے کی طرز ہے۔ قانون یہ ہے کہ جو خیالات آتے ہیں آدمی کا (Inner) اس کا مادی زبان میں ترجمہ کرتا ہے۔

انسان کو آباؤ اجداد کا ذہن منتقل ہو رہا ہے۔ آپ نے انگریزی بولی تو دماغ اس کا ترجمہ اردو میں سمجھ کر معنی پہناتا ہے۔ ایک نابینا آدمی دیوار کو چھوتا ہے یا درخت کو پکڑتا ہے تو وہ کیسے پہچانتا ہے کہ یہ درخت ہے، یہ دیوار ہے۔ دراصل وہ اپنے اندر (Inner) میں دیکھتا ہے اور جان لیتا ہے یہ درخت ہے۔

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہمارے ارد گرد موجود اشیاء کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے تھے، پرندوں سے باتیں کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد پرندے سے پیغام رسانی کا کام لیا ہے، وہ چیونٹی سے بھی باتیں کرتے تھے، جنات ان کی خدمت پر معمور تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام برگزیدہ پیغمبر ہیں وہ فرشتوں سے بھی باتیں کرتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہوا، چیونٹی، پرندے اور تمام حشرات الارض شعور رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے میں بے شمار حقائق بیان کئے ہیں۔

”یہاں تک کہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا چیونٹیوں اپنے بلوں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تم کو روند ڈالے۔“ (سورۃ النمل۔ آیت ۱۸)

لیکچر 5

بے سکونی کیوں ہے؟

مورخہ 2مارچ 2001ء جمعتہ المبارک

دنیا میں ساڑھے گیارہ ہزار مخلوقات آباد ہیں۔ جن میں انسان اشرف المخلوقات ہے۔ مخلوق کی بے شمار قسمیں ہیں۔ ضروریات سب کی یکساں ہیں۔ سب کے گھر ہیں۔ سب کو علم ہے کیا کھانا چاہیئے، کیا نہیں کھانا چاہیئے۔ مخلوق بیمار ہوتی ہے، صحت مند بھی ہوتی ہے، پیدا ہوتی ہے اور دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے۔

آدمی کہتا ہے میں عقلمند ہوں لیکن بکری میں بھی عقل ہوتی ہے۔ بکری کی تخلیق ایسی نہیں ہے کہ وہ گاڑی چلا سکے جبکہ آدمی کی ساخت ایسی ہے کہ وہ گاڑی چلا سکتا ہے۔ آدمی اور جانور میں فرق صرف عقل و شعور کے استعمال کا ہے۔ آدمی کی فضیلت صرف علم کی بنیاد پر ہے۔ آج کا آدمی پریشان کیوں ہے؟

جب اللہ تعالیٰ نے کائنات بنانے کا ارادہ کیا تو فرمایا "کن" اور "فیکون" ہو گیا۔ کائنات میں تمام مخلوقات شامل ہیں۔ انسان، فرشتے، جنات، نباتات، جمادات اور حیوانات وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے تعارف اس طرح کرایا ہے۔۔۔

"میں تمہارا رب ہوں۔"

(سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۷۲)

مخلوق نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، اللہ تعالیٰ کی آواز سنی اور پہچان کر کہا۔۔۔

"جی ہاں! آپ ہمارے رب ہیں۔"

(سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حواس بخشے۔

یہ ساری باتیں عالم ارواح میں ہوئیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خصوصی علم سکھایا۔

مثال

آپ یہاں 50 افراد بیٹھے ہیں، سب مجھے دیکھ رہے ہیں کہ عظیمی صاحب تقریر کر رہے ہیں۔ آپ میں سے میں ایک آدمی کو علم سکھاتا ہوں۔ وہ بندہ جس کو علم سکھایا وہ علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو کیا ہو گا؟

وہ محروم رہے گا اور محرومی اسے بے سکون کر دے گی۔

انسان کو چاہئے کہ اپنی زندگی مسافر کی طرح گزارے اور علم حاصل کرے۔ علم میں اولیت روحانی علوم کی ہے۔ آج آدمی کیوں پریشان ہے؟

جبکہ باقی مخلوق بے سکون نظر نہیں آتی۔ مگر آدمی بے سکون ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ آدم دوسری مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ سکون سے زندگی گزارتا۔

ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ کبوتر غٹر غوں کرتا ہے، طوطا ٹائیں ٹائیں کرتا ہے۔ مختلف جانور اپنی اپنی بولی بولتے ہیں۔ صبح آپ کسی جنگل میں یا ویرانے میں یا کسی باغ میں چلے جائیں۔ چڑیوں کی چہکار سنائی دیتی ہے۔ سب مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ درخت حمد و ثناء کرتے ہیں۔ لاکھوں مخلوق تسبیح کرتی ہے۔ پرندے شام کو گھونسلے میں چلے جاتے ہیں اور مغرب کے بعد بالکل خاموشی چھا جاتی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ۔۔۔

"پرندے جلد سو جاتے ہیں اور آدھی رات کو اٹھ کر مراقبہ کرتے ہیں۔ صبح اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور اپنے کاموں پر نکل جاتے ہیں۔"

ہمیں نماز میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، بعض اوقات تو ایک رکعت بھی صحیح طور پر ادا نہیں ہوتی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو خصوصی علم عطا کیا ہے آدمی اگر اس علم کو سیکھ لے تو وہ پر سکون اور یکسو رہتا ہے اور انسان کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ انسان نے عالم ازل میں اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے رب ہیں، ہر آدمی یہ جانتا ہے کہ وہ پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، خورد و نوش کا انتظام کرتا ہے۔ آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو تلاش کرے اسے کس نے پیدا کیا ہے اور وہ اپنی مرضی سے دنیا میں کیوں نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ ہم اس وعدے سے انحراف کر رہے ہیں اس لئے بے سکون اور پریشان ہیں۔

لیکچر 6

غور و فکر

مورخہ 3مارچ 2001ء بروز ہفتہ

آدمی کی ساخت پر غور کیا جائے تو آدمی خلاء ہے۔ آدمی ایک خالی لفافہ کی طرح ہے۔ لفافے میں اسرار ورموز ہیں۔ آدمی اسرار و رموز کو اس لئے نہیں سمجھتا کہ اس نے رموز کو پڑھنا نہیں سیکھا۔ آدمی اس طرف توجہ نہیں دیتا کہ لفافہ میں کیا لکھا ہوا ہے؟ انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے؟

کسی محبوب کا، کسی پیارے کا یا ماں باپ کا خط آئے تو آدمی کتنے ذوق اور شوق سے پڑھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتا۔ گائے انسان سے زیادہ طاقت ور ہے۔ گائے میں بھی عقل ہے۔ زندگی گزارنے کے تمام احساسات ہیں لیکن چونکہ اس میں تفکر نہیں ہے اس لئے وہ ایک رسی سے بندھی رہتی ہے۔ جو آدمی غور و فکر نہیں کرتا اسے آپ کیا کہیں گے؟

آدمی غلام ہے، اس لئے وہ غلامی کی رسیوں میں جکڑا ہوا ہے۔

سائنسدان اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں دنیا میں اسے عزت و توقیر حاصل ہے۔ ہم کہتے ہیں دل خوش ہوا، دل گھبرا رہا ہے لیکن ہم یہ غور نہیں کرتے کہ اس دل کو کون چلا رہا ہے۔ آپ گاڑی یا بس میں بیٹھتے ہیں۔ کوئی پوچھے کہ گاڑی کون چلا رہا ہے، آپ فوراً بتا دیں گے کہ ڈرائیور چلا رہا ہے۔ یہ پوری کائنات کون چلا رہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چلا رہے ہیں۔

میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔

میں آدمی ہوں۔ آپ سب بھی آدمی ہیں۔ میں سو جاتا ہوں۔ آپ بھی سو جاتے ہیں۔ جب میں سو جاتا ہوں تو مجھے اس بات کا علم نہیں رہتا کہ میں آدمی ہوں لیکن سونے کی حالت میں جب میں چلتا پھرتا ہوں، کھانا کھا لیتا ہوں، خوش ہوتا ہوں، خوف زدہ ہوتا ہوں۔ ہوا میں اڑتا ہوں یہ سب کرتا ہوں لیکن میں اس بات سے ناواقف ہوں کہ سونے کی حالت میں کون چل پھر رہا ہے، کون غم زدہ اور خوش ہو رہا ہے؟ اور کون راحت اور تکلیف محسوس کرتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ سونے کی حالت میں تمام حرکات اور سکنات ہو رہی ہیں لیکن جسم حرکت نہیں کرتا سیدھی بات ہے کہ جسم کی اپنی کوئی ذاتی حرکت نہیں ہے۔ جسم کی حرکت کسی حرکت کے تابع ہے۔

اب ہم یوں کہیں گے مادی جسم خود مختار نہیں ہے۔۔۔روح کے تابع ہے، روح جب تک مادی جسم کو متحرک رکھتی ہے جسم چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے اور جب روح مادی جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو جسم ریزہ ریزہ ہو کر مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

لیکچر 7

روحانی علوم

مورخہ 4مارچ 2001ء بروز اتوار

ہماری پوری زندگی مشاہدوں پر قائم ہے۔ جب بچہ اس دنیا میں آتا ہے تو وہ کچھ بھی نہیں جانتا لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اس کے اندر جاننے کا عمل شروع ہوتا ہے۔ بچہ ماں سے، باپ سے، خاندان سے، برادری سے، ملک و قوم سے اور پھر اسکول و کالج کے ماحول سے واقف ہوتا رہتا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا ہے ذہن بھی بڑا ہوتا رہتا ہے۔

علم حاصل کرنے کے بعد بچے کے دماغ میں وسعت آتی ہے۔ مشاہدات سے کس قدر فائدہ اٹھایا اور تجربہ حاصل کیا؟ جتنے زیادہ علوم سیکھتے ہیں دماغ میں اتنی ہی وسعت پیدا ہوتی ہے۔

سنار زیور بناتا ہے۔ مضمون نگار مضمون لکھتا ہے۔ انسان اور حیوان میں یہ فرق ہے کہ انسان میں علم سیکھنے کی صلاحیت ہے۔ علم یہ ہے کہ کائنات کا کھوج لگا کر کائنات کی حقیقت کا ادراک کیا جائے۔ غور کرنا چاہئے کہ زمین کیا ہے؟ سات آسمان کیا ہیں؟ فرشتے کیا کام کرتے ہیں؟ جنات اور فرشتوں کی ساخت کیا ہے؟ علم شریعت کیا ہے؟ علم طریقت کیا ہے؟

علم شریعت کی طرح علم طریقت کے کئی شعبے ہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں صحابہ کرامؓ کی زندگی حضور ﷺ کے ارد گرد گزرتی تھی۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔

جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ بیان فرما دیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی مرکزیت رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تھی۔ جب کسی شئے کی مرکزیت قائم ہو جاتی ہے تو غور و فکر سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

جب ہم آسمان اور آسمانی علوم پر تفکر کرتے ہیں تو ہماری مرکزیت آسمانی علوم ہوتے ہیں اور جب ہم زمین پر پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر کرتے ہیں تو ہمارا ذہن ان حقائق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جن حقائق میں زمین اور آسمان کے معاملات ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی مرکزیت نور نبوت تھی۔ اس لئے ان کو آسمانی علوم سیکھنے میں دقت پیش نہیں آتی تھی۔ سیدنا حضور ﷺ کے ارشاد عالی پر وہ تفکر کرتے تھے اور تفکر کے نتیجے میں ان کو علم حاصل ہوتا تھا اور ان کے اوپر حقائق منکشف ہوتے تھے۔ رسول ﷺ کے شب و روز ان کے سامنے تھے۔ رسول ﷺ کی گفتگو وہ نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ رسول ﷺ کی زندگی صحابہ کرامؓ کے سامنے تھی اور رسول ﷺ کے فرمان اور عادت پر صدق دل سے عمل کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے لئے رسول ﷺ کے اعمال اور ارشادات مشعل راہ تھے۔

اسلامی فرائض پورے کرنے، نماز قائم کرنے، روزہ رکھنے اور دیگر شرعی علوم پر عمل کرنے سے لطائف روشن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین تخلیق فرمایا ہے۔ میرے دوستو! روحانی علوم سیکھئے۔ نماز قائم کیجئے۔ قرآن ترجمہ کے ساتھ پڑھئے۔ عمرہ کیجئے۔ حج کی استطاعت ہے تو حج کیجئے۔ روزے رکھئے۔ زکوٰۃ دیجئے۔ وہ سب فرائض پورے کیجئے جو اسلام نے فرض کئے ہیں۔ روحانی علوم اور تسخیر کائنات کا علم قرآن پاک میں موجود ہے، ان علوم کو تلاش کیجئے۔

لیکچر 8

ہمارے بچے

مورخہ 9مارچ 2001ء بروز جمعتہ المبارک

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔۔۔

"لوگوں سے ان کی صلاحیت کے مطابق بات کرو۔"

بات کرنے والے صاحب یا صاحبہ کو یہ غور کرنا چاہئے کہ مخاطب کی صلاحیت کتنی ہے اور شعوری استطاعت کتنی ہے۔

حکمت

اگر دو سال کے بچے کے ساتھ کھلونے سے کھیلا جائے، بچہ کو کمر پر بٹھا کر سیر کرائی جائے، بچہ کے ذہن کے مطابق اس کے ساتھ چھیڑ خانی کی جائے تو بچہ خوش ہوتا ہے۔ لیکن اگر بچہ کے شعور سے زیادہ بات کی جائے تو بچہ آپ میں دلچسپی نہیں لے گا وہ آپ کے پاس سے چلا جائے گا۔

یہی حال بڑے لوگوں کا ہے۔ ان کی سمجھ کے مطابق ان سے گفتگو کی جائے تو وہ غور سے سنتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بچوں سے بچوں کے ذہن کے مطابق اور بڑوں سے بڑوں کی صلاحیت کے مطابق بات کی جائے۔ اگر بچوں سے بڑوں کی طرح بات کی جائے تو وہ بات نہیں سمجھیں گے اور دلچسپی نہیں لیں گے۔

میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آدمی کو مخاطب کی صلاحیت کے مطابق بات کرنی چاہئے۔ گفتگو میں طنز کیا جائے تو مخاطب سے دوری ہو جاتی ہے۔ ادب اور بے تکلفی دونوں ضروری ہیں۔ یہ ادب نہیں ہے کہ باپ اور بیٹے، بیٹے اور باپ میں، بڑے اور چھوٹوں، چھوٹے اور بڑوں میں آپس میں بات چیت نہ ہو۔ اور یہ بے ادبی ہے کہ اپنے مخاطب سے ایسی باتیں کی جائیں جو اس کے شعور سے زیادہ ہوں۔

یاد رکھئے! گھر کے ماحول سے معاشرے کی قدریں قائم ہوتی ہیں۔ تجربہ ہے کہ جن گھرانوں میں ماں باپ کا لہجہ سخت ہوتا ہے یا لوگ چیخ کر بولتے ہیں، گھر کے بچے بھی چیخ کر بات کرتے ہیں اور جب گھر میں لوگ چیخ کر بولتے ہیں تو غصہ سے بولنا، گفتگو میں طنز شامل ہو جاتا ہے۔ گھر کا ہر آدمی طنز کرتا ہے، چیخ کر بولتا ہے اور پھر گھر کے افراد اس وقت تک بات نہیں سمجھتے جب تک چیخ کر نہ بولا جائے۔

گفتگو میں ہمیشہ احتیاط کرنی چاہئے۔ احتیاط یہ ہے کہ گفتگو میں آواز بلند نہ ہو۔ طنز نہ ہو۔ گفتگو میں دھیما پن ہو اور لوگوں کی صلاحیت کے مابق بات کی جائے۔ اس طرح گھر کے افراد اور ماحول میں لوگ خوش مزاج ہونگے، سمجھدار ہوں گے اور ایک دوسرے کا ادب کریں گے۔ یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ بات کرتے وقت لفظوں کا انتخاب اچھا ہو۔

لیکچر 9

اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں

مورخہ 11مارچ 2001ء بروز اتوار

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت خالقیت سے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ومالک ہیں۔ انسان میں اللہ تعالیٰ کی صفات کام کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ رحیم ہیں، کریم ہیں، بخشنے والے ہیں، رحم کرنے والے ہیں، مخلوق کیلئے وسائل پیدا کرتے ہیں، اس دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد دوسرے عالم کی زندگی میں بھی آرام و آسائش کے وسائل عطا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں وسائل کے ساتھ زندہ رکھتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی وسائل کے ساتھ زندہ رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بڑے اور بہت بڑے ہیں

اللہ تعالیٰ کرم فرماتے ہیں۔

رحم فرمانے والے ہیں۔

غلطیوں کو معاف کرتے ہیں۔

اپنی مخلوق کی حفاظت فرماتے ہیں۔

انسان اللہ تعالیٰ کی سماعت سے سنتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بصارت سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے، ہر شئے جو پیدا ہوتی ہے اسے واپس جانا ہے۔

”بہترین لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔“

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جبہ مبارک لے کر جب حضرت اویس قرنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت اویس قرنیؓ کی خدمت میں عرض کیا۔

یا اویس قرنیؓ! کوئی نصیحت فرمایئے۔

حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا: ”یا عمرؓ! تم اللہ تعالیٰ کو جانتے ہو؟“

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”جی ہاں! میں اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں۔“

حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا: ”یا عمرؓ! اللہ تعالیٰ بھی تمہیں جانتے ہیں۔“

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ”جی ہاں! اللہ تعالیٰ بھی مجھے جانتے ہیں۔“

حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا: ”اب تمہیں نصیحت کی ضرورت نہیں۔“

بہترین لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہے۔
بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہے۔ اگر کوئی آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا، حسد کرتا ہے، بغض رکھتا ہے، اپنی جائز، ناجائز بات منوانے کی ضد کرتا ہے، چغل خوری کرتا ہے تو وہ بڑا آدمی نہیں ہے۔
آدمی اپنے اندر تکبر کی گٹھلی بو دیتا ہے اور جب یہ گٹھلی درخت بن جاتی ہے تو وہ شیطان بن جاتا ہے۔
انسان یہ سوچتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں کھلونا ہوں۔ جس قدر اللہ تعالیٰ نے اختیارات عطا فرمائے ہیں اس ہی قدر میں بااختیار ہوں۔ بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ اگر میں نیک کام کرتا ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق ہے۔ اگر میں صلح رحمی کرتا ہوں تو مجھ پہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہ سوچتا ہے میرے اندر جو بھی صلاحیت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہیں اور ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کرتے ہیں۔
ہر انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ رعایا بادشاہ، عالم فاضل، امیر غریب، فقیر، گورا کالا ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ مخلوق میں جو صلاحیتیں کام کر رہی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہیں۔
ہمیں اپنی تخلیق اور مادی وجود پر غور فکر کرنا چاہیئے کہ ہمارے اجسام تعفن سے بنے ہوئے ہیں۔ بادشاہ اور عالم آدمی ایک ہی طرح پیدا ہوتے ہیں۔
غور فرمایئے۔۔۔
جب ہم کوئی کام کرتے ہیں اور اس کام میں ہمارا دل نہیں لگتا اور ہمیں ادھر ادھر کے خیالات شدت سے آتے ہیں تو وہ کام صحیح نہیں ہوتا۔
اکاؤنٹینٹ ہے، ٹیچر ہے، خاتون خانہ ہے، ڈرائیور ہے۔
ان چاروں کے دماغ میں خیالات کا ہجوم ہے۔ اتنا زیادہ ہجوم ہے کہ کام میں توجہ اور یکسوئی نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔۔۔؟
۱۔ اکاؤنٹینٹ حساب صحیح نہیں کرے گا۔
۲۔ ٹیچر اپنے اسٹوڈنٹ کو صحیح طور پر تعلیم نہیں دے گا۔
۳۔ خاتون خانہ گھر کے کام صحیح طور پر نہیں کرے گی۔ کھانا مزے دار نہیں پکائے گی۔
۴۔ ڈرائیور اگر ذہنی یکسوئی کے ساتھ گاڑی نہیں چلائے گا تو اس کا ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔
اسی طرح اگر کسی نمازی کے دماغ میں خیالات کا ہجوم ہوتا ہے تو یکسوئی کے ساتھ نماز قائم نہیں ہوتی۔ جب نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی تو اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا۔

لیکچر10

اللہ ھُو

مورخہ 12 مارچ 2001ء بروز پیر

ایک بزرگ دریا کے کنارے گئے اور ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ انہیں اللہ ھُو کی آواز آئی۔ بزرگ نے چاروں طرف دیکھا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ کوئی نظر نہیں آیا۔ انہوں نے سوچا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ ان کا ذہن اس پتھر کی طرف گیا جس پر وہ بیٹھے تھے۔ جب پتھر کی طرف متوجہ ہوئے تو پتھر میں سے "اللہ ھُو" کی آواز آئی۔ بزرگ نے محسوس کیا کہ کئی آوازیں "اللہ ھُو" کا ورد کر رہی ہیں۔

جب ذہن یکسو ہوا تو انہیں ہر طرف سے اللہ ھُو کی آواز سنائی دینے لگی۔ درخت، چھوٹے پودے، چھوٹی بڑی جھاڑیاں اور دریا میں سے پانی کی آواز آئی اور پورا جنگل اللہ ھُو کی آواز سے گونج اٹھا۔

جب نظر دریا کے پانی پر ٹھہر گئی تو انہوں نے دیکھا کہ پانی میں چھوٹی بڑی مچھلیاں تیر رہی ہیں اور اللہ ھُو پڑھ رہی ہیں لیکن ایک مچھلی جو اللہ ھُو نہیں پڑھ رہی تھی وہ شکار ہو گئی تھی اور اس کے گلے میں کانٹا پھنسا ہوا تھا۔ بزرگ نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ سنایا اور پوچھا۔ "سرکار! یہ کیا ماجرا تھا؟"

مرشد کریم نے فرمایا۔۔۔

ہر شئے کے دو رخ ہیں جیسے عورت مرد، گرم ٹھنڈا، کڑوا میٹھا، نرم و سخت وغیرہ اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج، محنت مزدوری اور دنیاوی مسائل حل کرنے کے لئے بنایا ہے۔ آدھی رات آرام کیلئے اور آدھی رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے ہے۔ مخلوق آدھی رات سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو جاتی ہے۔

سورج ڈوبنے کے بعد اور سورج غروب ہونے سے پہلے پرندے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر غور سے سنا جائے اور لاشعور بیدار ہو جائے تو چڑیا کی چوں چوں میں اللہ ھُو کی آواز سنائی دیتی ہے۔

مرشد کریم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے کائنات بنانے کے بعد روحوں سے پوچھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ جیسے ہی مخلوق کے کانوں میں یہ آواز پہنچی مخلوق کو قوت سماعت مل گئی۔ جب کان متوجہ ہوئے تو آنکھوں کو تحریک ہوئی کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے تو بینائی مل گئی۔ آنکھیں دیکھنے لگیں۔ کانوں نے سنا تو سننے کی حس عطا ہوئی۔ بولنے کی حس حرکت میں آئی تو مخلوق نے عرض کیا۔۔۔ "قالو بلیٰ" بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔

اور انسان میں قوت گویائی متحرک ہو گئی۔ غرض یہ کہ پھول، درخت، جمادات، حیوانات، انسان سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت سے زندہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت سے بولتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت سے سنتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت سے دیکھتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت سے محسوس کرتے ہیں۔

بڑے پتھر سے بہت ساری آوازیں اس لئے آرہی تھیں کہ بڑا پتھر بہت سارے چھوٹوں پتھروں سے مرکب ہے۔ جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کو موت بھی ضرور آتی ہے۔ درخت میں سے زندگی نکل جاتی ہے تو وہ سوکھ جاتا ہے۔ کیا آپ نے غور فرمایا کہ درخت کیوں سوکھ جاتے ہیں؟ بڑی بڑی عمارتیں کیوں گر جاتی ہیں؟

اس لئے گر جاتی ہیں کہ روح نے جن ذرات کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا ہوا ہے، روح ان سے رشتہ منقطع کر لیتی ہے۔ یہ جو Pillar آپ دیکھ رہے ہیں (عظیمی صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے Pillar کی طرف متوجہ کیا) اس Pillar میں لوہا ہے، کنکریٹ ہے، کرش ہے اور سیمنٹ ہے۔ یہ سب چیزیں جاندار ہیں۔ ہم ان کے اندر جان کو اس لئے نہیں دیکھ سکتے کہ ہم جان کو نہیں پہچانتے۔

حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے فرمایا۔۔۔

”جب جان سے جان ملتی ہے تو شئے میں زندگی دوڑنے لگتی ہے اور جب جان سے جان نہیں ملتی تو زندگی ٹھہر جاتی ہے۔“ ہماری محرومی اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اپنے اوپر غلاف چڑھایا ہوا ہے، کانوں پر غلاف ہے، آنکھوں پر پردے ہیں، عقل محدود ہو گئی ہے۔ کان بہرے ہیں، اسی وجہ سے ہم ان آوازوں کو نہیں سنتے۔ اگر ہمارے کان جو خالق کائنات کی پہلی آواز سن چکے ہیں کھل جائیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی آواز سن سکتے ہیں۔ اگر ہماری آنکھوں پر سے پردہ اٹھ جائے تو ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے اس لئے کہ ہم ازل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ چکے ہیں۔

لیکچر 11

اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کو مانگو

مورخہ 13 مارچ 2001ء بروز منگل

اللہ تعالیٰ نے جہاں عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں معافی کا اعلان بھی فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔

اگر غلطی ہو جائے میرے پاس آجاؤ، معافی مانگ لو، میں معاف کر دوں گا۔ دوبارہ غلطی ہو جائے پھر میرے پاس آجاؤ میں معاف کر دوں گا۔ جتنی بار بھی غلطی ہو جائے میرے پاس آ جاؤ میں رحم کرنے والا ہوں میں معاف کرنے والا ہوں۔

آدمی کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ غلطی نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ لیکن اگر غلطی ہو جائے اور گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو۔

میں نے (خواجہ شمس الدین عظیمی) ایک مرتبہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہئے، معلوم تو ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ میں نے رجسٹر میں لکھنا شروع کر دیا۔ لکھتا چلا گیا، لکھتا چلا گیا۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے رجسٹر کے کتنے صفحات لکھے۔ میں نے جب ان نعمتوں کو شمار کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی ایسی نعمت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا نہ فرمائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے والدین عطا فرمائے، بہترین رفیقۂ حیات عطا کی، بیٹے بیٹیاں عطا فرمائیں، روزی عطا فرمائی، بے حساب رزق عطا فرمایا، آنے جانے کے لئے وسائل عطا فرمائے۔ دوست احباب عطا کئے، عزت دی، صحت عطا فرمائی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت اور ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آگے، پیچھے، نیچے، اوپر جو بھی نعمتیں ہیں، سب عطا ہوئی ہیں۔

میں نے مرشد کریم قلندر بابا اولیاءؒ سے عرض کیا۔۔۔

"حضور میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے سب کچھ عطا فرما دیا ہے۔"

قلندر بابا اولیاءؒ لیٹے ہوئے تھے، میری یہ بات سن کر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ نے تیز لہجہ میں فرمایا۔۔۔

"خواجہ صاحب آپ نے یہ کیا بات کہہ دی۔ خبر دار! اس قسم کا خیال آئے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھو اور بھائی مانگنے کا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کو مانگو۔"

جب اللہ تعالیٰ مل جاتا ہے تو کائنات سرنگوں ہو جاتی ہے۔ صفت بستہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نظر آتے ہیں۔ نسبت سکینہ حاصل ہو جاتی ہے، ایسے بندے کے دل سے ڈر اور خوف نکل جاتا ہے، اس میں قناعت آ جاتی ہے۔

ایک دفعہ خواہش پیدا ہوئی کہ میرے پاس گھوڑا ہونا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ فیصل آباد میں اچھا گھوڑا مل رہا ہے۔ گھوڑے کی قیمت اتنی زیادہ نہیں تھی کہ ادا نہ ہو سکے لیکن جب غور کیا تو بہت ساری باتیں ذہن میں آ گئیں۔

گھوڑے کے لئے اصطبل چاہئے، چارہ چاہئے، سائیس چاہئے تا کہ وہ گھوڑے کی خدمت کرے اور اس پر روزانہ سواری کرے۔ اگر اس کی صحیح خدمت نہ کی گئی تو وہ بیمار ہو جائے گا۔ گھوڑے کی ضروریات کی اتنی طویل فہرست بن گئی کہ گھوڑے کا خیال ہی دل سے نکل گیا۔

ہارون الرشید نے ایک دفعہ نمائش لگائی، اس نمائش میں دنیا بھر کی چیزیں تھیں۔ بادشاہ نے اعلان کیا جس کا جو دل چاہے لے جائے۔ ہجوم ہو گیا، لوگوں نے اپنی پسند کی چیزوں کو اٹھانا شروع کر دیا۔ ہارون الرشید کی ایک کنیز تھی اس نے ایک چیز بھی نہیں اٹھائی۔ وہ نہایت ادب سے آگے بڑھی اور بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

آپ غور فرمایئے!

عقل مند کون تھا کنیز یا وہ لوگ جنہوں نے مختلف چیزیں پسند کیں؟ کنیز بادشاہ کا انتخاب کر کے سب سے ممتاز ہو گئی۔ اتنی عقل مند تھی کہ ملکہ بن گئی۔

میرے دوستو! میرے بچو!

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کو مانگو۔ جو دنیاوی نعمتیں ہمیں حاصل ہیں یا مطلوب ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرما رہے ہیں۔ دنیا کی ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے جو چیز ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ ہی ہم اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہین۔ رزق دینے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

جو چیزیں حاصل ہیں ان کو خوش ہو کر استعمال کرو اور شکر کرو۔ اس لئے کہ شکر کرنے والے بندے کم ہیں۔

بزرگوں کا فرمانا ہے۔۔۔

"آیت الکرسی میں اسم اعظم ہے اور جب بندے کو اسم اعظم معلوم ہو جاتا ہے تو دنیا کی ہر شئے اس کے آگے سرنگوں ہو جاتی ہے۔ آیت الکرسی کو ترجمہ کے ساتھ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کی برکتیں مانگیں۔ یہ ضروری ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، اس کا شکر ادا کریں۔"

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگیں گے مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا دستر خوان وسیع ہے، جتنی حرکت و کوشش کریں گے، وسائل مل جائیں گے۔ وسائل حاصل کرنے کے لئے دعا کے ساتھ ساتھ جدوجہد اور کوشش بھی ضروری ہے۔ عظیمیہ جامع مسجد میں جتنے لوگ موجود ہیں وہ سب چھوٹے سے بڑے ہوئے ہیں، جس طرح بچوں کا ماں باپ سے رشتہ استوار ہے، اسی طرح بندے کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے استوار ہونا چاہئے۔ دعا میں خلوص ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ہمارے اندر ایثار ہونا چاہئے۔ ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرنے کا جذبہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہر بندہ کی ضروریات کے کفیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قربت مانگنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمیں اعمال صالح کی توفیق عطا فرمائے۔

لیکچر 12

قربت

مورخہ 14 مارچ 2001ء بروز بدھ

مخلوقات کی تعداد ساڑھے گیارہ ہزار ہے۔ ہر مخلوق یہ شعور رکھتی ہے کہ وہ کون ہے ؟اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ زندگی کے تقاضے کیا ہیں اور انہیں کیسے پورا کیا جا سکتا ہے۔ مخلوق گھر بھی بناتی ہے اور ایسے گھر بناتی ہے جو عجوبہ روز گار ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی جو چھتہ بناتی ہے وہ ہر طرح سے عجوبۂ روز گار ہے۔ پرندے گھونسلہ بناتے ہیں۔ زیر زمین رہنے والی مخلوق بل بناتی ہے۔ مخلوقات کا خاندان بھی ہے۔ وہ آپس میں کھیلتے کودتے ہیں، خوش ہوتے ہیں اور کبھی کبھی لڑتے بھی ہیں۔ گرمی سردی محسوس کرتے ہیں۔ پرندے اور چوپائے گرمی سے بچنے کیلئے نہاتے ہیں اور سردی سے بچنے کیلئے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ جب زیادہ سردی ہو جاتی ہے تو پرندے اپنی چونچ کو پروں میں چھپا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ سردی سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو عجیب و غریب ہوتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے۔۔۔

شیر کا ایک بچہ اپنی ماں سے بچھڑ گیا۔ وہاں سے ایک بکری کا گزر ہوا۔ بکری نے شیر کے بچے کو دیکھا تو اسے رحم آیا۔ بکری نے شیر کے بچے کو دودھ پلایا اور اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ شیر کے بچے کی عادتیں بکری کی طرح ہو گئیں۔ یہاں تک کہ وہ ایسی چیزیں کھانے لگا جو شیر نہیں کھاتا۔ شیر کا بچہ بکری کی آغوش میں بڑا ہو گیا۔

اتفاق سے ایک دن وہاں سے شیر کا گزر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ شیر کا بچہ گھاس کھا رہا ہے تو اسے بڑا غصہ آیا۔ شیر زور سے دھاڑا، آواز سن کر چوپائے بھاگ گئے، ان کے ساتھ شیر کا بچہ بھی بھاگ گیا۔

بالآخر شیر نے ایک جست لگائی اور شیر کے بچے کو پکڑ لیا۔ آس پاس جتنی بکریاں تھیں سب غائب ہو گئیں۔ شیر نے بچے کا کان پکڑا اور اسے دریا کے کنارے لے گیا اور شیر نے پانی میں شیر کے بچے کی تصویر دکھائی اور زور سے دھاڑا اور شیر کے بچے سے کہا کہ تو شیر ہے بکری نہیں ہے، پانی میں دیکھ۔

شیر کے بچے نے پانی میں اپنی تصویر دیکھی تو اسے نظر آیا کہ میں شیر کی طرح ہوں۔ شیر شیر کے بچے کو کان سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ چند روز میں اس نے شیر کی عادتیں سیکھ لیں اور بکری کی عادتیں بھول گیا۔

میرے دوستو!

مرشد کریم کی بھی یہی مثال ہے۔ مرشد کریم مرید کی تربیت کرتا ہے۔ مرید کو پڑھاتا ہے، سکھاتا ہے، آئینہ میں صورت دکھاتا ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مرید بھاگ جاتا ہے وہ اس ماحول سے مانوس نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ دوسرے ماحول سے بھی مانوس نہیں ہوتا اس لئے واپس آ جاتا ہے۔ مرشد اسے پھر قبول کر لیتا ہے اور بالآخر مرید مرشد کریم کی طرز فکر اختیار کر لیتا ہے۔

غور کیا جائے تو آدمی بھی جانور کی طرح ہیں۔ جانوروں کی بھی الگ الگ شکلیں ہوتی ہیں، آدمیوں کی بھی شکل الگ الگ ہے۔ لیکن اچھے ماحول کی زیر اثر آدمی جانوروں سے ممتاز ہو کر انسان بن جاتا ہے۔

میرے دوستو!

ہم سب دیکھتے ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو کومل، خوبصورت اور معصوم ہوتا ہے اور جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا ہے اس کی صورت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ایک صورت وہ ہوتی ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور ایک صورت وہ ہوتی ہے جو ماحول کے زیر اثر بنتی ہے۔ جو لوگ کتے سے محبت کرتے ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، ہر طرح سے اس کا خیال رکھتے ہیں، بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کراتے ہیں۔ اس کو صبح سویرے سیر کے لئے لے جاتے ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے اور آپ نے بھی ضرور دیکھا ہو گا اور اگر نہیں دیکھا تو اب غور کریں کہ کتوں سے محبت کرنے والے انسان میں کتوں کی شباہت آنے لگتی ہے۔ ہر آدمی کے اندر چار آنکھیں ہوتی ہیں۔ دو آنکھیں وہ ہیں جو ہر آدمی کی پیشانی کے نیچے ہیں اور دو آنکھیں وہ ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں اور نظر اس لئے نہیں آتیں کہ ہم نے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

جب بندہ روح کی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اسے وہ شکل نظر آتی ہے جو نور سے بنی ہے اور جب وہ باہر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اسے وہ آنکھ نظر آتی ہے جو ماحول کے زیر اثر بنی ہیں۔ مرشد مرید کو اندر کی آنکھ کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ اندر جو آنکھ دیکھتی ہے وہ زمان و مکان سے گزر جاتی ہے اور باہر جو آنکھ دیکھتی ہے وہ مکان (Space) میں قید رہتی ہے۔

لیکچر 13

ہر مخلوق باشعور ہے

مورخہ 15 مارچ 2001ء بروز جمعرات

اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوقات پیدا کی ہیں، سب باشعور ہیں۔ ہر مخلوق خود کو پہچانتی ہے اور اپنی ذات سے متعلق جتنے کام ہیں ان کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ نبادات، جمادات، حیوانات زمینی مخلوق ہیں اور ہر مخلوق جاندار ہے۔ اگر زمین بے جان ہوتی تو زمین کے اندر عجائبات نہیں ہوتے۔ زمین جانتی ہے کہ آم کی گٹھلی سے مجھے آم پیدا کرنا ہے۔ خشخاش سے چھوٹا بیج زمین میں ڈالتے ہیں تو زمین گولر کا درخت پیدا کرتی ہے۔ اگر زمین میں شعور نہ ہو تو زمین کے اندر جتنی تخلیق ہے اور جس قدر عجائبات ہیں وہ سب نہ ہوتے۔ زمین ماں ہے۔ زمین میں اگر عقل و شعور نہ ہو تو عجائبات کا وجود بھی نہیں ہوتا۔

تربوز کے بیج سے تربوز پیدا ہوتا ہے۔ جامن کی گٹھلی سے جامن پیدا ہوتا ہے۔ ہر بیج میں الگ صلاحیت ہے۔ آم کی گٹھلی میں بے شمار آم چھپے ہوئے ہیں اور گٹھلی میں آم کی شکل، آم کا رنگ، آم کا ذائقہ، آم کی خوشبو اور آم کی افادیت موجود ہے۔ آم کی اپنی خصوصیات ہیں۔ اس طرح انجیر کی اپنی شکل ہے، ذائقہ الگ ہے اور انجیر کی خصوصیات الگ ہیں۔ انجیر اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور ایسی تخلیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیر کی قسم کھائی ہے۔ انسان کی صلاحیت اگر آسمانی رفعت میں گم ہو جائے اور شعور لاشعور کے تابع ہو جائے تو ادراک ہوتا ہے کہ فرشتے بھی باشعور ہیں جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے سب میں شعور ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔

"میں نے سماوات سے، زمین سے اور پہاڑوں سے کہا کہ میری امانت اٹھالو، پہاڑوں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ ہم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت ۷۲)

سوال یہ ہے کہ بے شعور اور بے جان چیز کو مخاطب نہیں کیا جاتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا اس چیز کو تم اٹھالو گے یا نہیں تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ چیز باشعور اور بااختیار ہے۔ پہاڑ چونکہ باشعور ہیں، باصلاحیت ہیں اس لئے پہاڑوں میں معدنیات پیدا ہو رہی ہیں۔ کائنات میں ہر شئے شعور رکھتی ہے۔ اس بات سے سب واقف ہیں کہ پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ کائنات کی ہر شئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، پہاڑ بظاہر سخت اور خشک ہیں لیکن ان میں معدنیات بھری ہوئی ہیں۔

آیئے! ہم سب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کریں۔ (آمین)

لیکچر 14

کامیاب زندگی

مورخہ 17 مارچ 2001ء بروز ہفتہ

"معاشرہ میں وہی آدمی باعزت ہے جو اپنی برائی کو چھپاتا ہے اور نیکی کو ظاہر کرتا ہے۔"

ایک شاگرد تھا اس نے اپنے پیر و مرشد سے اصرار کیا کہ

"مجھے روحانیت چاہئے۔"

مرشد کریم نے فرمایا کہ علم حاصل کرنے میں وقت لگتا ہے۔ مرید کو محنت کرنا پڑتی ہے اور وقت کی پابندی کے ساتھ اسباق پڑھنے پڑتے ہیں۔ مرید نے جب بہت زیادہ اصرار کیا اور اپنی خدمات بتائیں۔ اس نے کہا "میں اتنے سال سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں، آپ نے مجھے روحانی علوم نہیں سکھائے۔"

مرشد کریم نے مرید کو ایک ڈبہ دیا کہ یہ فلاں بزرگ کے پاس لے جاؤ لیکن راستے میں اسے کھولنا نہیں۔ دوران سفر اس نے محسوس کیا کہ ڈبے میں کوئی چیز اچھل کود کر رہی ہے۔ لیکن مرید سے صبر نہیں ہو سکا، اس نے ڈبے کو کھول کر دیکھا تو اس میں سے ایک چوہیا نکل کر بھاگ گئی۔ وہ ڈبہ لے کر ان بزرگ کے پاس پہنچا جن کو یہ ڈبہ دینا تھا۔

بزرگ نے پوچھا۔ "یہ ڈبہ خالی ہے۔ اس میں کیا تھا؟"

مرید نے کہا۔ "اس میں ایک چوہیا تھی اور وہ نکل کر بھاگ گئی۔"

بزرگ نے فرمایا۔ "تمہارے مرشد نے تمہارے سپرد امانت کی تھی کہ اسے مجھ تک پہنچا دو اور ڈبہ کھول کر نہ دیکھنا۔ مرشد نے تمہارے سپرد امانت کی تھی جس کی تم حفاظت نہیں کر سکے۔ تم کس طرح اللہ تعالیٰ کی امانت کو محفوظ رکھو گے؟"

ایک اور صاحب نے مرشد کریم سے عرض کیا کہ "مجھے اللہ تعالیٰ کا عرفان چاہئے، وہ راز چاہئے جس کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔" مرشد کریم نے فرمایا۔ ابھی تمہارے اندر برداشت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راز سے واقف ہونے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی امانت کو اٹھانے کے لئے سکت اور برداشت چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی امانت کو حاصل کرنے کے لئے برداشت چاہئے۔ مگر مرید اصرار کرتا رہا۔

شیخ کے گھر ایک بکری تھی۔ انہوں نے بکری کو ذبح کیا اور خون کپڑوں پر لگا لیا۔ مرید جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے دیکھا کہ کپڑوں پر خون لگا ہوا ہے۔ اسے تشویش ہوئی کہ کپڑوں پر خون کیسا ہے؟ مرشد کریم نے مرید سے فرمایا۔ "خون ہو گیا ہے، کسی سے ذکر نہیں کرنا۔ اس بات کو راز رکھنا۔" مرید سے برداشت نہیں ہوا۔

اس نے لوگوں کو بتایا کہ مرشد سے خون ہو گیا ہے تم کسی سے ذکر نہیں کرنا۔ لوگ کچے کانوں کے ہوتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں سن کر انہیں غصہ آجاتا ہے اور شور مچا دیتے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا کسی نے رپورٹ کر دی اور پولیس آگئی۔ پولیس جب آئی تو اس

نے دیکھا کہ بکری کو ذبح کیا گیا ہے۔ پولیس نے پوچھا اس میں کیا راز ہے؟ مرشد کریم نے پوری بات پولیس کو بتادی اور فرمایا۔
”مرید اصرار کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا راز مجھے بتا دو لیکن مرید کی حالت یہ ہے کہ وہ میرا راز نہیں چھپا سکا تو اللہ تعالیٰ کا راز کیسے چھپائے گا؟“

مرید اسباق کی پابندی نہیں کرتے۔ روزے نہیں رکھتے، کھانا کم نہیں کھاتے، نمازیں قضا ہو جاتی ہیں، مراقبہ میں کوتاہی کرتے ہیں، فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے ہیں اور روحانی علوم سیکھنے کے لئے اسباق نہیں پڑھتے۔

ہم سب کا تجربہ ہے کہ بچے اسکول میں پڑھتے ہیں۔ بچے آٹھ گھنٹے تک اسکول میں پڑھتے ہیں اور مرید پابندی سے روزانہ ایک گھنٹہ مراقبہ نہیں کرتے۔ یہ عمل بے ادبی کے مترادف ہے۔

دنیا میں وہ کون سا علم ہے جو ایک گھنٹہ پڑھنے سے حاصل ہو جاتا ہے؟ جبکہ ایک گھنٹہ میں پابندی سے عمل نہ کیا جائے۔ آپ سب کا جواب ہو گا علم حاصل کرنے کے لئے وقت چاہئے۔ روحانی علوم سیکھنے کیلئے بھی وقت چاہئے۔ آدمی کو کم از کم اتنا وقت دینا چاہئے جتنا وقت میٹرک پاس کرنے میں لگتا ہے جبکہ روحانی علوم کی افادیت Ph.D سے بھی زیادہ ہے۔

لیکچر 15

اناکی لہریں

مورخہ 11 اپریل 2001ء بروز بدھ

سوال:

انا یا تفکر کی لہروں سے کیا مراد ہے؟ انا کی لہریں خیالات میں کس طرح تبدیل ہو جاتی ہیں؟ اور ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

جواب:

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ

"انا سے مراد روح اور روح کی صلاحیتیں ہیں۔"

انا کا مطلب طرز فکر ہے۔ طرز فکر دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک مثبت طرز فکر اور دوسری منفی۔ مثبت طرز فکر روحانی صلاحیتیں پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ اس کے برعکس منفی طرز فکر تخریب کا باعث بنتی ہے۔

قانون یہ ہے کہ اچھا یا برا جو کچھ ہو رہا ہے خیال کے بغیر ممکن نہیں۔ جب بندہ اپنی ذات میں تفکر کرتا ہے تو وہ روح اور روح کی صلاحیتوں سے واقف ہو جاتا ہے۔

عام مشاہدہ ہے کہ ٹیوب لائٹ یا پنکھا بجلی کے بغیر نہیں چلتا۔ ہم غور کریں کہ بجلی کہاں سے آرہی ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ میٹر سے آرہی ہے۔ میٹر میں کھمبے سے، کھمبے میں PMT سے، PMT میں Transformer سے، Transformer میں پاور ہاؤس سے، اور پاور ہاؤس میں Turbine سے۔ یہ Turbine پانی سے (یا کسی بھی ذریعہ سے) گھومتی ہے۔ Turbine میں مقناطیس لگا ہوا ہوتا ہے۔ مقناطیس سے لہریں نکلتی ہیں۔

غور کیا جائے کہ خیال کہاں سے آرہا ہے تو روحانی علوم انکشاف کرتے ہیں کہ خیال لوح محفوظ سے آرہا ہے۔ ہم مزید غور کریں کہ لوح محفوظ کیا ہے تو ہمارے سامنے ایسے ایسے حقائق آئینگے جس سے ہمارا ذہن اس حقیقت کو تلاش کرلے گا جس حقیقت پر کائنات کا قیام ہے۔

اگر ہم انا کی لہروں میں تفکر کریں تو یہ جان لیتے ہیں کہ خیال کیا ہے؟ خیال کہاں سے آتا ہے اور خیالات کا میکنزم کیا ہے؟

(عظیمی صاحب نے لیکچر کے دوران لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا)

ہر سال آپ لوگ دور دور سے اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے عرس میں آتے ہیں۔ آپ سب کیوں آتے ہیں؟

یہاں اس لئے تشریف لاتے ہیں کہ یہاں آنے سے ماحول تبدیل ہو جاتا ہے۔ سکون ملتا ہے اور آپ کا ذہن یکسو ہو جاتا ہے، خوش اور مطمئن ہوتے ہیں اور خیالات میں مثبت تبدیلی محسوس ہوتی ہے۔

ہم سب کو چاہئے کہ سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کریں۔ نماز قائم کریں۔ سلسلہ کے اسباق پڑھیں اور کائنات میں تفکر کریں۔

لیکچر16

صدقۂ جاریہ

مورخہ 9مئی 2001ء بروز بدھ

ہم جو بھی عمل کرتے ہیں وہ نیکی ہو یا برائی اس کی فلم بنتی رہتی ہے۔ کراماً کاتبین ہمارے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں (یعنی ویڈیو فلم بنتی رہتی ہیں)۔

تمثال

لوح محفوظ پر فلم بنی ہوئی ہے، اس فلم میں تمام اعمال ریکارڈ ہیں، نیکی بھی اور برائی بھی۔ لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ بندہ نماز پڑھے گا، روزہ رکھے گا۔ بندہ کبھی نماز پڑھتا ہے، کبھی نہیں پڑھتا، کبھی روزہ رکھتا ہے، کبھی نہیں رکھتا۔ کبھی حلال رزق کھا لیا، کبھی حرام۔ کبھی سچ بولا اور کبھی جھوٹ۔

مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ

"طرز فکر سوچنے کا ایک انداز ہے۔ اگر طرز فکر مثبت نہیں ہے تو بندہ اپنی روح سے دور ہو جاتا ہے۔"

حضرت عائشہؓ کے پاس ایک خاتون آئیں اور اپنی عبادت کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ وہ خاتون ساری رات عبادت کرتی ہیں اور دن میں روزے رکھتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ خوش ہوئیں، ان کی خاطر تواضع کی۔ جب وہ چلی گئیں تو یہ بات حضور ﷺ کو بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "عمل تھوڑا ہو لیکن مستقل ہو۔"

ہم کوئی بھی کام اپنی سکت سے زیادہ کریں گے تو بیمار ہو جائیں گے۔ کھانا کھانا ایک روٹین ہے، کوئی زیادہ کھانا کھاتا ہے، کوئی کم کھاتا ہے۔ کھانا گنجائش سے زیادہ کھا لیا جائے تو طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے اور صحت خراب ہو جاتی ہے۔

مستقل عمل ہمیں لامحدودیت میں داخل کر دیتا ہے۔ اچھا عمل روح کو طاقت دیتا ہے۔ مثبت طرز فکر انسان کو روح سے قریب کرتی ہے۔

آپ کیا سمجھے مثبت طرز عمل کیا ہے اور منفی طرز عمل کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو کائنات کی خلافت عطا فرمائی تو فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کو پیش کیا۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ آدم فساد برپا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سکھایا اور آدم علیہ السلام سے فرمایا۔۔۔

"یہ علم فرشتوں کے سامنے بیان کرو۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت ۳۱)

حضرت آدم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علوم بیان کئے تو فرشتوں نے عرض کیا۔

"ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا علم آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت ۳۲)
لیکن ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف بغاوت کی اور وہ راندۂ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس نے کہا کہ۔۔۔
"آدم مٹی سے تخلیق ہوا اور میری تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور آدم کو سجدہ (آدم کی حکمرانی قبول نہیں کی) نہیں کیا۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت ۶۸)

حضرت آدم علیہ السلام اور راندۂ درگاہ شیطان۔۔۔ یہ دو کردار ہوئے۔
۱۔ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قبول کر کے عاجزی انکساری اور فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا۔
۲۔ شیطان نے حکم عدولی کی اور نافرمانی کا مرتکب ہوا۔ بلکہ یہی نہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے گستاخی کا مظاہرہ کیا۔

ایک کردار میں اطاعت اور فرمانبرداری ہے اور دوسرے کردار میں نافرمانی، گستاخی اور حکم عدولی ہے۔
اس سلسلے میں عقلی توجیہی یہ ہے کہ مٹی سے پھول، پھل اور درخت پیدا ہوتے ہیں۔ ترکاریاں سبزیاں اور بے شمار چیزیں جو انسانوں کی زندگی کے لئے ضروری ہیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس آگ کا وصف یہ ہے کہ وہ جلا دیتی ہے۔

لیکچر 17

ادراک یا حواس

مورخہ 18 اپریل 2001ء بروز بدھ

سوال:

ادراک کیا ہے۔ حواس اور ادراک میں کیا فرق ہے؟

جواب:

کسی بھی چیز کو سمجھنے کیلئے چار Stages سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلا Stage واہمہ ہے۔ واہمہ میں گہرائی پیدا ہوتی ہے تو خیال بنتا ہے۔ خیال گہرا ہوتا ہے تو تصور بن جاتا ہے۔ اس کے بعد مظاہرہ ہو جاتا ہے۔

مثال

جب ہمیں پیاس لگتی ہے تو پہلے واہمہ ہوتا ہے۔ پھر خیال پھر تصور پھر مظہر بن جاتا ہے۔ پانی ہے تو پیاس محسوس ہوتی ہے اور پیاس ہے تو پانی ہے۔ پہلے بھوک لگتی ہے اس کے بعد روٹی کی طرف ذہن جاتا ہے۔ پیاس لگتی ہے تو پانی کی طرف ذہن جاتا ہے۔ ہر تقاضہ دو رخوں پر قائم ہے۔ گرمی ہے تو سردی ہے، سردی ہے تو گرمی ہے۔ تکلیف ہے تو راحت ہے۔ راحت ہے تو تکلیف ہے۔ اگر تقاضے نہ ہوں تو تقاضوں کی تکمیل کرنے والی اشیاء بھی نہیں ہونگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔۔۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔" (سورہ یٰس۔ آیت ۳۶)

مثلاً مٹھاس اس لئے ہے کہ اس کے بالمقابل کھٹی کڑوی چیزیں موجود ہیں۔ گرمی کا وجود اس لئے ہے کہ سردی کا وجود ہے۔ جن علاقوں میں گرمی ہوتی ہے یا سردی ہوتی ہے۔ وہاں کبھی گرمی زیادہ ہوتی ہے، کبھی کم گرمی ہوتی ہے۔ سرد علاقے میں کبھی زیادہ سردی ہوتی ہے، کبھی کم سردی ہوتی ہے۔

کائنات کی ہر شئے دو رخوں پر قائم ہے اور ہر رخ چار رخوں سے مرکب ہے۔ اور جو چیز ان چار رخوں کا احاطہ کرتی ہے اسے ادراک کہتے ہیں۔ ہم دو جسموں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ ایک مادی جسم اور دوسرا روحانی جسم۔ مادی جسم میں مکانیت (Space) کا غلبہ رہتا ہے، اس کے برعکس روحانی جسم میں زمانیت کا غلبہ رہتا ہے۔ روح زمان ہے اور جسم مکان ہے۔

مثال

زمان (Time) میں روشنی کے حواس کام کرتے ہیں اور مکان (Space) میں مادی حواس کام کرتے ہیں۔ جب تک کوئی چیز زمان میں نہیں ہے اس کا مظاہرہ مکان میں نہیں ہوتا۔